مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت سے نجات

Sayed Rashid Ahmed
of Sunagar

مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت سے نجات

اور

اسکی بنیادی اہمیّت

عیسائیت کے لئے امن وسلامتی کا ایک اور پیغام

الناشر

ناظر دعوت وتبلیغ صدر انجمن احمدیہ ۔ قادیان
پنجاب ۔ بھارت

سن اشاعت ۱۹۸۱ء

تعداد ۵۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

پیش لفظ

آج سے دو ہزار سال قبل حضرت مسیح علیہ السلام ارض فلسطین میں بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ یہود نامسعود نے ان کی سخت مخالفت کی۔ حتیٰ کہ آپ کو صلیب پر لٹکا کر مارنے کی کوشش بھی کی گئی۔ عیسائی اور یہودی دونوں اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے لیکن قرآن مجید نے آج سے ۱۴۰۰ سال قبل ببانگِ دہل یہ اعلان کیا کہ وما قتلوہُ وما صلبوہُ کہ مسیح کو یہودیوں نے نہ قتل کیا اور نہ ہی صلیب پر ان کو مارنے میں کامیاب ہو سکے بلکہ ان کی طبعی موت ہوئی۔ قرآن مجید کے اس اعلان کے باوجود یہودی اور عیسائی دونوں اس عقیدے پر قائم رہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر مر گئے۔ یہودیوں کے نزدیک صلیب پر مر کر نعوذ باللہ وہ ملعون ہوئے اور عیسائیوں کے نزدیک صلیب پر مر کر ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے۔

سیدنا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ امت محمدیہ میں ظاہر ہونے والا مسیح موعود کسر صلیب کرے گا۔ اس میں یہ اشارہ تھا کہ مسیح محمدی کے وقت میں خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جن کے ذریعہ سے صلیبی واقع کی اصل حقیقت کھل جائے گی۔ چنانچہ آج صلیبی واقع کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اتارے گئے اور واقعہ صلیب کے بعد وہ اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس کشمیر کی سرزمین میں آئے۔

انہوں نے ۱۲۰ سال کی عمر پائی اور بالآخر سرینگر میں وفات پا کر محلہ خانیار

ہیں دائمی نیند سو رہے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب سے نجات پانے کے اہم موضوع پر جماعت احمدیہ انگلستان کے زیر اہتمام ایک سہ روزہ بین الاقوامی کانفرنس ۲۔۳۔۴ جون ۱۹۷۸ء کی تاریخوں میں کامن ویلیتھ انسٹی ٹیوٹ لندن کے آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی تھی۔ امام جماعت احمدیہ سیدنا حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اَیَّدَہُ اللہ تعالیٰ بنفسِ نفیس اس کانفرنس میں شریک ہوئے اور مورخہ ۳ جون کے آخری اجلاس میں آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی صلیبی موت سے نجات کے موضوع پر ایک معرکتہ الآراء اور تاریخی خطاب ارشاد فرمایا۔ کانفرنس سے آپ کا یہ خطاب انگریزی زبان میں تھا۔ اصل مضمون جو اُردو زبان میں حضور نے تحریر فرمایا تھا اُسے اُردو دان طبقہ کے فائدہ کیلئے شائع کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے بہتوں کی ہدایت کا موجب بنائے آمین۔

خاکسار

بشیر احمد دہلوی

ناظر دعوت و تبلیغ

قادیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ عبدہٖ المسیح الموعودؑ

سب تعریفیں اللہ ہی کی ہیں۔ جو واحد و یکتا ہے ــــ توحید باری کائنات کی حقیقت ہے۔ اللہ ایک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ کوئی اس کی مثل اور مانند نہیں۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں واحد ہے۔ نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی اور نہ کسی چیز کے صفات اس کی صفات کے مانند۔ وہ اپنی ذات اور صفات میں ازلی اور ابدی ہے۔ اور غیر متغیّر ہے۔ اس کا علم ہر حاضر و غائب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہر شئی کے ظاہر کا بھی وہ علم رکھتا ہے اور باطن کا بھی۔ وہ اپنی ذات میں عالم ہے۔ کسی معلّم کا محتاج نہیں۔ اور اس کا علم غیر محدود ہے۔ اس کے برعکس انسان کا علم کسی معلم کا محتاج ہے اور محدود ہے۔ وہ واحد لاشریک ہے۔ جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں وہ وہی بے مثل ہے۔ جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں۔ اور جس کا کوئی ہم صفات نہیں۔ وہ تمثّل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے۔ اور کرتا ہے مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے (کیونکہ ہر جسم اور ہر شکل matter اور form کی ایک محدود اور معین نسبت کا نام ہے) وہ متصف ہے تمام صفاتِ کاملہ سے اور مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا اور جامع ہے تمام طاقتوں کا اور خالق ہے ہر شئی کا اور مالک ہے

ہر ایک مِلک کا۔ اور مبداء ہے تمام فیوض کا اور وہ متصرّف بالارادہ ہے اور ہر شئ سے اس کا بالواسطہ تعلق ہے۔

ہر زندہ اسی سے زندگی پاتا اور ہر قائم اسی کے سہارے قائم ہے۔ وہ متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزّہ ہے ہر ایک عیب نقص اور ضُعف سے اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے صرف اسی کی عبادت کریں۔

انسان سوچتا ہے (اور صرف انسان ہی سوچتا ہے) کہ آخر اس کی زندگی کا مقصد اور مدعا کیا ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ انسان خود اپنے طور پر اور اپنے اختیار سے اپنی زندگی کا مدّعا مقرر نہیں کر سکتا کیونکہ وہ نہ اپنی مرضی سے اس دنیائے فانی میں آیا اور نہ اس نے اپنی مرضی سے اس جائے بے ثبات کو چھوڑنا ہے۔ پس جس نے پیدا کیا وہی بتا سکتا ہے کہ اُس نے انسان کو کس مقصد اور مدعا سے پیدا کیا۔

اور اُسی نے قرآن عظیم میں بتایا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ[1] کہ ہر چھوٹے بڑے انسان کو اس نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور پرستش کرے۔ اور خدا کی پرستش بھی جبر سے نہیں بلکہ اپنی مرضی اور اختیار سے کرے اور اس غرض کے لئے اللہ تعالیٰ نے اُسے دو بنیادی طاقتیں عطا کی ہیں۔ اوّل اسے یہ طاقت دی گئی ہے کہ وہ ہوائے نفس اور نفسانی خواہشات کو دبا سکتا ہے۔ اور اس طرح گناہ سے بچ سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ خدا تعالیٰ کی محبّت میں اس درجہ تک پہنچ سکتا ہے جو غیر اللہ کو کُلّی فراموش کر دے۔

اور ان ہر دو طاقتوں کی راہنمائی کے لئے آسمانی ہدایت و شریعت اسے بخشی گئی ہے۔

اور یہاں مذاہب کا باہمی اختلاف نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے۔

---

[1] سورۃ الذاریات ایت ۵۷

مثلاً ہندو مت کے ایک حصّہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ ارواح اور ذرّاتِ عالم کا خالق نہیں۔ اور یہ کہ اس کے عدل نے یہ تقاضا کیا کہ وہ محدود نیکیوں کی غیر محدود جزا نہ دے۔ اس لئے وہ ارواح کو بار بار مختلف نئی جونوں میں پیدا کرتا ہے۔ تا وہ از سرِ نو کچھ اور نیکیاں کر لیں اور دوبارہ کچھ عرصہ کے لئے خدا کی جنّتوں میں اپنی نیکیوں کی جزا پالیں۔ اور پھر یہی تسلسل۔

اور عیسائی مذہب نے یہ اصول قائم کیا کہ دنیا سے پیار کر کے دنیا کو نجات دینے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یوں انتظام کیا کہ نافرمانوں اور کافروں اور بدکاروں کا گناہ اپنے پیارے بیٹے (god son) یسوع پر ڈال دیا۔ اور ایک جہان کی لعنتوں کا طوق اسکی گردن میں ڈال کر ان کروڑوں لعنتوں اور گناہوں کی سزا میں اپنے اس بیٹے کو صلیب پر مروا دیا! اور بعض کے نزدیک تین روز و شب تک جہنم میں ڈالے رکھا اور پھر اُسے زندہ کر دیا اور اس طرح اس پر ایمان لانے والوں کو گناہوں سے نجات حاصل کرنے کا انتظام کر دیا گیا۔ اور اس طرح پر اپنی صفتِ عدل کے تقاضا کو پورا کیا۔ کیونکہ عدل تقاضا کرتا تھا کہ سزا دی جائے اور رحم کا تقاضا تھا کہ معاف کیا جائے۔

مگر اسلام کے نزدیک یہ منصوبہ ہر ایک پہلو سے فاسد اور انسانی عقل کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے۔ اس لئے کہ اگر میزان عدل کے لحاظ سے اس کو جانچا جائے تو صریحاً یہ بات ظلم ٹھہرتی ہے کہ گنہگار کے گناہوں کی سزا ایک معصوم کو دے دی جائے۔ اور اگر روحانی فلاسفی کی رو سے گناہ کی حقیقت پر غور کیا جائے۔ تو بھی یہ عقیدہ فاسد ٹھہرتا ہے کیونکہ گناہ نام ہے خدا کی اطاعت سے بغاوت اور اس کی محبت سے محروم اور بے نصیب ہونے کا۔ خدا بیٹے کو خدا باپ کی اطاعت اور محبت سے بے نصیب اور محروم بنا کر مخلوقِ خدا کے نصیب میں خدا کی اطاعت اور محبت کیسے آسکتی ہے۔ افسوس! عیسائیوں کو یہ دکھانا چاہیئے تھا کہ ہستی باری تعالیٰ

پر یقین اور اس کی حقیقی معرفت جو انسان کو خداترسی اور خداشناسی کی آنکھ بخشتی ہے۔ اور نفسانی خواہشات کے خس و خاشاک کو جلا دیتی ہے۔ اس کا سامان انجیل نے انسان کو کیا بخشا۔ یہ دعویٰ تو بے بنیاد اور بے حقیقت ہے کہ کروڑوں گناہگاروں کی لعنت ان سے لے کر یسوع کے دل پر رکھی گئی۔ اور اس کارروائی کے بعد یسوع تو ملعون ٹھہرے۔ مگر یسوع کے علاوہ گویا ہر ایک کو پاک زندگی اور خدا کی معرفت حاصل ہوگئی ہے۔ مگر نعوذ باللہ یسوع ایک ایسی لعنت کے نیچے دبایا گیا جو کروڑہا لعنتوں کا مجموعہ تھی۔ مگر جب ہم مسیح پر ایمان لانے والوں کی زندگی کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔ تو یہ بات کھُل کر سامنے آتی ہے کہ انکے گناہ اب بھی ان ہی کے ساتھ لگے ہیں۔ ان سے جدا نہیں ہوئے اور اس سے ثابت ہوا کہ جیسا کہ لعنتی زندگی والوں کی لعنتی زندگی ان سے علیٰحدہ نہیں ہوسکی۔ (جس کے ثبوت میں عیسائی دنیا سے ہزاروں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ مگر ایسا کرنا شائد مناسب نہ ہو۔) ایسا ہی وہ یسوع پر بھی نہیں پڑسکتی۔ اس عقیدہ سے اگر کچھ حاصل ہوا تو یہی کہ ان لوگوں نے ایک معصوم اور خدا کے مقدس کو ناپاکی میں ڈالنے کا ارادہ کیا۔ مگر اسلام نے اسے اس گھناؤنے منصوبہ سے بچا لیا۔ اور اس کے احترام اور پاکیزگی کو قائم کیا۔

پس گناہ سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کی محبّت کے حصول کے لئے عیسائیت نے جو طریق بتایا ہے۔ اسلام اس سے اتفاق نہیں رکھتا۔ بلکہ اسلامی تعلیم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ خدا کو پانے کے لئے گندی زلیست سے نجات ضروری ہے۔ اور یہ نجات اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس معرفت کے نتیجہ میں اللہ کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے روح میں اس کا خوف پیدا ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور خدا کا پیار حاصل کرنے کے لئے خدا سے محبت کرنا اور اس شدّت سے محبت کرنا ضروری ہے کہ انسان اس میں فانی ہوکر ایک نئی اور پاک زندگی اُس سے حاصل کرے۔

خدائے رحمان کی طرف سے انسان کو بہت سی قوتیں اور صلاحیتیں عنایت ہوئی ہیں۔ اور انسانی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں انسانوں کی خدا داد قوتیں اور صلاحیتیں صحیح نشو نما اور الٰہی ہدایت پر چلنے کے بعد جس بلند ترمقام پر پہنچیں وہ قربِ الٰہی کا مقام ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ جس چیز کے قویٰ جو بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کام کر سکتے ہوں اور جس سے آگے وہ بڑھ نہ سکتے ہوں۔ وہی اعلیٰ سے اعلیٰ مقام اس کی پیدائش کی علتِ غائی ہے۔ پس چونکہ انسان کا بلند ترین کمال قربِ الٰہی ہے۔ جس پر لاکھوں پاکوں کی گواہی ہے۔ لہذا اس کی زندگی کا اصل مدعا اللہ تعالےٰ کے قرب اور اس کے پیار کو حاصل کرنا ہُوا۔

اسلام نے بڑی وضاحت سے اور پوری طرح کھول کر یہ تعلیم دی ہے کہ خوف اور محبّت اور قدر دانی کی جڑ معرفتِ کاملہ ہے۔ پس جس کو معرفتِ کاملہ دی گئی اس کو خوف بھی کامل دیا گیا اور اس کو محبّت بھی کامل دی گئی۔

یہ محبّت بھی عجیب شئے ہے۔ محبّت کی تپش گناہ کی آگ کو جلاتی اور معصیت کے شعلہ کو بھسم کرتی ہے اور اسی کو بائیبل نے آگ سے بپتسما دینے سے تعبیر کیا ہے۔ انسان کی سچّی محبّت خدا تعالیٰ کی محبّت کو جذب کرتی اور کھینچتی ہے۔ اور خدا تعالےٰ سے پیار کرنے والا اور عشق و محبّت میں مست اس پر فدا ہو جانے والا بندہ اپنے پیارے رب کا محبوب بن جاتا ہے۔ ایسی سچّی اور کامل محبّت کے ساتھ خدا کا غضب اور جہنم کی آگ جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ اور اس سچّی محبّت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے محبوب کی مخالفت اور ناراضگی کو اپنے لئے ایک زہر خیال کرتا ہے۔ اور ہمیشہ ترساں رہتا ہے۔ کہ اس کے کسی گناہ یا معصیت کے نتیجہ میں اس کا پیارا اس سے قطع تعلق نہ کر لے۔

پس جس کو خوف اور محبّت کامل دی گئی اس کو ہر ایک گناہ سے جو

بے خوفی اور بے باکی سے پیدا ہوتا ہے نجات دی گئی۔ اس نجات کے لئے ہم نہ کسی خون کے محتاج ہیں اور نہ کسی صلیب کے حاجتمند۔ اور نہ ہمیں کسی کفارہ کی ضرورت ہے۔ بلکہ ہم صرف ایک قربانی کے محتاج ہیں اور وہ ہے اپنے نفس کی قربانی۔ جس کی ضرورت کو ہماری فطرت محسوس کرتی ہے۔ اور ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ فطری قویٰ کی نشوونما فطرت کے پیدا کرنے والے خدائے واحد ویگانہ کی ہدایت میں کی جائے۔

ہم پھر اس بات کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ گناہ اور نافرمانی سے بچنے کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ انسان یقینی دلائل اور چمکتے ہوئے نشانوں کے ذریعہ سے اس معرفت تک پہنچ جائے کہ جو درحقیقت خدا کو دکھا دیتی ہے۔ اور کھل جاتا ہے کہ خدا کی ناراضگی اور اس کا عذاب ایک کھا جانے والی آگ ہے۔ ایسے یقینی دلائل اور چمکتے ہوئے نشان انسان کو یہ عرفان بھی عطا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی ذات عظیم حُسن کی مالک ہے۔ ہر خوبصورتی ہر نُور کا سرچشمہ اُسی کی ذات ہے اور اُس میں اس قدر عظیم قوتِ احسان ہے کہ اس کے احسان اور عطایا اور عنائتیں بے حد و بے شمار ہیں۔ اور یہ حُسن و احسان انسان کے قلبِ صافی پر پختہ نقش کر دیتے ہیں۔ کہ ہر ایک کامل لذّت خدا میں ہے اور اس سے دُوری اور مہجوری ہلاک کر دینے والی جہنّم ہے۔ پس عرفان و عصیان دونوں کا ایک ہی دل میں جمع ہونا محال ہے۔ اور مذہب کی اصل غرض یہی ہے کہ انسان اُس سچّے خدا کو پہچان لے۔ جس نے اس کائنات کو پیدا کیا۔ اور اُس کی محبّت میں اُس مقام تک پہنچ جائے۔ جو غیر کی محبّت کو کلیتہً جلا دے۔ اور اس میں فانی ہوکر ایک نئی اور پاک زندگی پائے۔ ایک ایسی زندگی جو خدا کی محبّت اور اس کی مخلوق کی ہمدردی سے معمور ہو۔

پس جیسا کہ عیسائی سمجھتے ہیں۔ نجات کے صرف یہ معنی نہیں کہ گناہ کے مواخذہ

سے رہائی ہو جائے۔ بلکہ نجات اس دائمی خوشحالی کے حصول کا نام ہے۔ جس کی پیاس انسانی فطرت کو لگا دی گئی ہے۔ جو محض خدا تعالےٰ کی سچی معرفت اور کامل خوف اور کامل اور ذاتی دو طرفہ محبّت اور اس کے ساتھ ایک سچے اور پختہ تعلق کے قیام کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل کا بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

اب ہم عیسائیت کے عقائد پر تفصیل سے تبصرہ کرتے ہیں۔

۱۔ عدل و انصاف اور رحم

مسیحیت کی تعلیم کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ خدا تعالےٰ کا عدل و انصاف تقاضہ کرتا ہے کہ وہ گناہگاروں کو سزا دے اور اس کا رحم یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو بخش دے اور چونکہ خدا تعالیٰ کا رحم سزا دیئے بغیر بخش نہیں سکتا اس لئے اس نے بیٹے کو قربان کرنے کا منصوبہ بنایا۔

لیکن جب ہم عدل و انصاف اور رحم کے معانی پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عدل اور رحم میں کوئی تضاد نہیں۔ اس لئے کہ عدل و انصاف کے معانی ہیں کہ لوگوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی حق تلفی کرے تو حقدار کو حق دلایا جائے۔ مثلاً اگر اس کے مکان پر زبردستی قبضہ کر لیا ہو تو وہ خالی کروا کے مالک مکان کے سپرد کیا جائے۔ تیسرے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو جس شخص کی حق تلفی ہوئی ہے اُسے منصفانہ طریق پر compensate کیا جائے اور امن کے قیام اور ظلم سے بچاؤ کے لئے ظالم اور حق تلفی کرنے والے کو مناسب سزا دی جائے۔ اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عدل و انصاف کا مسئلہ عقل اور قانون کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً جانوروں میں انسانی عقل نہیں اس لئے ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حق

تلفی کے مرتکب اور گناہگار ہوئے ہیں۔ انسان عقل رکھتا ہے لیکن بعض انسان عقل کھو بیٹھتے ہیں اور جو انسان پاگل ہو جائے اس پر بھی عدل و انصاف حکم نہیں لگاتے کیونکہ ایسے انسان کو حقوق کی پہچان ہی نہیں، حق تلف کرنے اور گناہگار بن جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسی طرح عدل و انصاف کا تعلق عقل کے علاوہ قانون سے بھی ہے۔ کیونکہ انسانوں کے مابین قانون الٰہی حقوق کو قائم کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالےٰ کے قانون کو توڑتا ہے وہ عدل و انصاف کی راہ کو چھوڑ دیتا اور خدا کی نگاہ میں گناہگار بن جاتا ہے ـــــ قانون الٰہی جو حقوق قائم کرتا ہے وہ اسلام کے نزدیک تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ حقوق جو اللہ کے اپنے بندہ پر ہیں۔ لیکن اللہ چونکہ خالق اور مالک ہے اس لئے بندہ کا کوئی حق اپنے مالک پر نہیں چونکہ یہ یکطرفہ حقوق ہیں اس لئے عدل و انصاف کا یہاں سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مالک چاہے تو گرفت کرے اور گرفت اس کی بڑی سخت ہے اور اگر چاہے تو اپنے رحم بے پایاں سے اپنے بندے کو معاف کر دے اور اس صورت میں عدل و انصاف کا کوئی تقاضہ اللہ تعالےٰ کو موردالزام نہیں ٹھہراتا۔ پس عدل و انصاف کا سوال صرف حقوق بین الناس کے مسئلہ میں رہ جاتا ہے وہ بھی جب وہ صاحب عقل و دانش ہوں اور اللہ تعالےٰ کی شریعت نے ان کے مابین حقوق قائم کئے ہوں۔ اس صورت میں بھی عدل و انصاف کا صرف یہ تقاضا ہے کہ جس کا حق چھینا گیا اسے اس کا حق دیا جائے یا تو بعینہٖ اُس صورت میں جس صورت میں وہ حق چھینا گیا ہو جیسے مکان واپس کر کے یا اگر ایسی شکل بنے کہ جو حق چھینا گیا وہ اسی شکل میں واپس نہیں ہو سکتا تو مناسب بدلہ دے کر۔ اس صورت میں گناہگار کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے سزا ملنا یا نہ ملنا ایسا حق نہیں جس کا انسان مرنے کے بعد مطالبہ کرے اگر اللہ تعالےٰ

اپنے بھائی پر ظلم کرنے والے اور اس کا حق چھیننے والے کو اخروی زندگی میں معاف کر دیتا ہے اور جس شخص کی حق تلفی ہوتی ہے اسے دُنیوی اقدار کے مقابلے میں بہت زیادہ بدلہ دیدیتا ہے تو اِسے یہ کہنا کہ عدل و انصاف کا تقاضا پورا نہیں ہوتا جب تک حق تلفی کرنے والے کو جہنم رسید نہ کیا جائے معقول بات نہیں ۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے بے پایاں رحم نے ہی قوموں کے کسی حق کے بغیر انہیں دنیوی خوشحالی عطا کرنے کی خاطر شریعت اور ہدایت نازل کی اور اس رحم کے نتیجہ میں قوموں کے باہمی تعلقات کو قانونِ الٰہی نے عدل و انصاف کے بندھن میں باندھا۔ اور اس طرح عدل حقیقتاً خدا تعالےٰ کے رحم کا ہی نتیجہ ہے اور اسی منبع سے خوشحالی کا یہ چشمہ بہ نکلا ہے ۔ اگر رحم نہ ہوتا اگر رحم کے نتیجہ میں ہدایت اور شریعت نازل نہ ہوتی ۔ اگر ہدایت اور شریعت انسان انسان کے درمیان حقوق قائم نہ کرتی تو نہ حق تلفی کا سوال پیدا ہوتا نہ عدل و انصاف کا اور جہاں تک تیسری قسم کے حقوق کا سوال ہے اور وہ وہ حقوق ہیں جو انسان کے علاوہ شریعت اسلامیہ نے کائنات کی ہر چیز کے متعلق قائم کئے ہیں ان حقوق کو اگر انسان ادا نہیں کرتا تو یہ ایسی بے انصافی نہیں کہ اگر معاف ہو جائے تو خدا تعالیٰ پر کوئی الزام واقع ہو۔ پس عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ خدا تعالےٰ کا عدل بغیر کفارہ کے کیونکر پورا ہو، بالکل مہمل ہے ۔ اور یہ محض ایک وسوسہ ہے کہ عدل اور رحم دونوں خدا تعالےٰ کی ذات میں جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ عدل کا تقاضا ہے کہ سزا دی جائے اور رحم کا تقاضا ہے کہ درگذر کی جائے ۔ جیسا کہ ہم نے ابھی یہ بتایا ہے خدا تعالےٰ کا عدل بھی ایک رحم ہے ۔ وجہ یہ کہ وہ سراسر انسانوں کے فائدہ کے لئے ہے ۔ جب قانونِ شریعت کے بعد عدل و انصاف کا سوال پیدا ہوتا ہے وہ انسانوں کے مابین حقوق قائم کرتا ہے اور یہ تمام حقوق العباد خدا

تعالیٰ نے اس لئے قائم کئے ہیں تا امن قائم رہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ پر ظلم کر کے دنیا میں فساد نہ ڈالے۔ وہ تمام حقوق اور سزائیں جو مال اور جان اور آبرو کے متعلق ہیں دَرحقیقت نوعِ انسان کے لئے ایک رحم ہے۔ خود انجیل یہ نہیں کہتی کہ یسوع کے کفارہ سے چوری کرنا، بیگانہ مال دبا لینا، ڈاکہ مارنا، خون کرنا جھوٹی گواہی دینا سب جائز اور حلال ہوجاتے اور سزائیں معاف ہوجاتی ہیں بلکہ ہر ایک جُرم کے لئے سزا ہے جو قائم ہے۔

پھر ایک اور بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ ہر شخص کا جو حق ہے اس کی حفاظت کی جائے اور اگر غصب ہوجائے تو اسے واپس دلایا جائے اور دوسرے یہ کہ جو اس کا حق بنتا ہے اس سے زیادہ کا وہ حقدار نہیں اور اگر عدل کے تصوّر کو رحم خداوندی پر مسلّط کر دیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس محدود زندگی میں محدود اعمال صالحہ کے نتیجہ میں صرف ایک محدود وقت تک انسان جنّت کا حقدار ہے اور جس وقت وہ اپنا حق لے چکے تو اسے پھر دارالابتلاء میں واپس آنا چاہیئے تا وہ مزید نیکیاں کرے اور پھر کچھ عرصہ کے لئے خدا کی جنّت کا حقدار بنے۔ اس محدود حق کی عدل و انصاف غیر محدود جزا نہیں دلاتے اور انسان غیر محدود جنّتوں کا وارث نہیں بن سکتا ——— پھر عیسائیوں کو بھی ہندوؤں کی طرح آواگون کا عقیدہ ماننا پڑے گا، لیکن اگر عیسائیت یہ مانے کہ خدا تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت سے انسان کے محدود اعمال صالحہ کی غیر محدود جزا انسان کو دے سکتا اور وہ ابدی جنّتوں کا وارث بن سکتا ہے تو انسان کے لئے اس کی رضا کے حصول کی راہ میں خدا کے کسی بیٹے یا ابنِ مریم کی گردن میں لعنت کا طوق ڈالنے کی ضرورت نہیں۔

اسلام نے عدل و انصاف اور رحم کے متعلق جو حسین تعلیم ہمیں دی ہے۔

اختصار کے ساتھ اس کا بیان یہاں بے موقعہ نہ ہوگا۔

(ا) فرمایا لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى [1] کسی انسان کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائے گا گناہگار کے بدلہ بے گناہ کو سزا نہیں دی جائے گی۔

(ب) اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ [2] نیکیاں گناہوں اور بداعمالیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

(ج) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ [3]

(د) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ [4]

(ہ) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ [5]

(ا) کوئی انسان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ب) نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔

نیکی و بدی کا وزن حق وانصاف سے ہوگا۔ جن کی نیکیاں وزنی ہوں گی وہ کامیاب ہوں گے جن کی نیکیوں پر ان کی بدیاں اور گناہ بھاری ہوں گے وہ گھاٹے میں رہیں گے کیونکہ جو نیکی کرنے کی طاقتیں (آیات) انہیں دی گئی تھیں۔ ان کا غلط استعمال کیا۔

ایک گناہ کا ایک بدلہ دیا جائے گا۔ مگر ایک نیکی کا بدلہ دس گنا زیادہ

---

[1] سورۃ الانعام ایت ۱۶۵ [2] سورۃ ھود ایت ۱۱۵ [3] سورۃ الاعراف ایت ۹-۱۰
[4] سورۃ الانعام ایت ۱۶۱ ، [5] سورۃ النحل ایت ۹۸

ملے گا۔ دس نیکیوں میں سے جو سب سے بڑی نیکی ہو گی اس کے مطابق سب نیکیوں کا بدلہ ملے گا۔

۲۔ خُدا کا بیٹا

عہدنامہ قدیم اور جدید کے مطالعہ سے تین باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

۱۔ خدا ایک ہے۔ واحد و یگانہ۔

۲۔ انسانوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔

۳۔ مسیح علیہ السلام کو Son of man کہا گیا ہے۔

I خدا کی وحدانیت کا اعلان کیا گیا ہے۔ اسی وحدانیت کے قیام کے لئے انبیا علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے کہ خدا کی وحدانیت کو قائم کریں۔ جیسا کہ ہم آگے جا کر بتائیں گے۔ بنی اسرائیل کے کسی ایک نبی نے بھی یہ اعلان نہیں کیا کہ خُدا کا کوئی شریک بھی ہے

II انسانوں کے لئے خدایا خدا کے بیٹے کا محاورہ عام ہے۔ پیدائش باب ۶ آیت ۱۔۲ اور پھر آیت ۴ میں انسانوں کو خدا کا بیٹا کہا گیا۔ پھر زبور باب ۸۲ آیت ۶ میں انسان کے لئے الٰہ اور حق تعالےٰ کے فرزند آیا پھر یسعیاہ باب ۱ آیت ۲ بنی اسرائیل کو خداوند کے سرکش بیٹے کہا گیا۔ پھر یسعیاہ باب ۳۰ آیت ۱ میں بنی اسرائیل کو باغی بچے" کہا گیا۔ پھر یرمیاہ باب ۳۱ آیت ۹ میں کہا "میں اسرائیل کا باپ ہوں"۔ پھر خروج باب ۴ آیت ۲۲ میں لکھا گیا" اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ پھر لوقا باب ۳ آیت ۳۸ میں لکھا ہے:" آدم خدا کا بیٹا" (پس بنی آدم نے خدائی ورثہ میں پائی) پھر متی باب ۵ آیت ۹ میں ہے:"مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے"۔ پھر یوحنا باب ۲۰ آیت ۱۷

ہیں مسیح نے خدا تعالےٰ کو حواریوں کا باپ قرار دیا۔ پھر متی باب ٦ آیت ۱۴
میں ہے: " اگر تم آدمیوں کے گناہ معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو
معاف کرے گا۔ اور اگر تم آدمیوں کے گناہ معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی قصور
معاف نہ کرے گا" (اور کفارہ تمہارے کوئی کام نہ آئے گا)

اس لئے اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی خدا کا بیٹا قرار دیا گیا تو خدا کے مقابلہ میں
ان کی حیثیت ان سے زیادہ نہیں سمجھی جا سکتی جن کو دوسری جگہ خدا کا بیٹا قرار دیا
گیا ہے۔

III ولبیٹ منسٹر بائیبل ڈکشنری کے مطابق مسیح ابنِ مریم نے نئے عہد نامہ میں
اپنے لئے ۸۷ بار son of man کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کے برعکس سب
لوگوں کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ جب ہم غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچنے پر
مجبور ہیں کہ جب سارے کے سارے بنی اسرائیل کو یا سب لوگوں کو جو عورت
کے پیٹ سے پیدا ہوئے خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے تو اس سے مراد حقیقی بیٹے نہیں
ہوتے، بلکہ بطور metaphor کے یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن جب کسی
کو اور حضرت مسیح علیہ السلام اس سے مستثنیٰ نہیں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ وہ سب آدم
زاد کی طرح نو ماہ ماں کے پیٹ میں رہ کر رحم مادر سے پیدا ہوا۔ تو ہمارا یہ بیان
کسی صورت میں بھی metaphor نہیں بلکہ son of man ، son of man
ہی ہے۔ son of god نہیں بن سکتا ـــــ نئے اور پرانے عہد نامہ نے جب
آدم علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا تو اس سے ہماری عقل نے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ آدم
کی ساری اولاد نے ہی آدم سے ورثے میں الوہیت پائی۔ اور وہ حقیقی معنوں میں خدا
کے بیٹے بن گئے۔ جب تورات نے بنی اسرائیل کو خدا کے بیٹے قرار دیا تو بنی اسرائیل
کے نیک و بد، عالم و جاہل سارے کے سارے خدا نہیں بن گئے اور جب مسیح

کے منہ سے سب انسانوں کے لئے خدا کے بیٹوں کا لفظ نکلا تو اس کلام سے مسیح نے انسانوں میں سے ہر ایک کو حقیقی معنی میں خدا نہیں ٹھہرایا۔ کہاں خدا اور کہاں خدا کے عاجز بندے۔ پس جہاں بھی اور جس کے متعلق بھی بشمولیت مسیح ابن اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ بطور mela phor کے ہے اور یہی حقیقت ہے۔ اب مسیح علیہ السلام ہی کو لو۔ نہ تو ان کے کلام میں اللہ تعالےٰ کے کلام جیسی عظمت وشوکت ہمیں نظر آتی ہے اور نہ ان کے اعمال خالق و مالک، صاحب عظمت وجلال متصرف بالارادہ جو ازلی ابدی طور پر الحی القیوم ہے۔ کے اعمال جیسے ہم پاتے ہیں پس یہ ایک mela phor ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں لیکن ہر وہ مادرزاد جو قریباً ۹ ماہ رحم مادر کے اندھیروں میں رہنے کے بعد خود دکھ اٹھاکر اور ماں کو دردِ زہ میں مبتلا کرنے کے بعد پیدا ہوتا ہے وہ حقیقتاً بغیر کسی شک وشبہ کے son of man ہے یا ہم اسے son of his mother کہہ سکتے ہیں۔ کسی صورت میں بھی خدا نہیں کہہ سکتے۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ

" اگر توریت اور دوسرے نبیوں کی کتابوں میں کسی خدا کے پیدا ہونے کا وعدہ دیا جاتا تو یہود اس وعدہ کے موافق ضرور یہ عقیدہ رکھتے کہ کسی وقت خدا اُن کی مدد کرنے کے لئے مجسم ہو کر کسی عورت کے پیٹ میں سے پیدا ہوگا۔ اور ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ یہود توریت اور دوسرے عہد عتیق کے صحیفوں سے برگشتہ نہ تھے تا ایسے خدا سے منکر رہتے اور اگر حضرت مسیح کی خدائی کو قبول نہیں کیا تھا تو کیا وجہ تھی کہ اصل پیشگوئی سے منکر ہو جاتے اُن کو بہر حال یہ کہنا چاہیئے تھا کہ ایسا جسمانی خدا اگرچہ اب تک نہیں آیا مگر ضرور آئے گا۔ لیکن تم یہود کو پوچھ کر دیکھ لو کہ وہ ایسے اعتقاد سے سخت بیزار اور اس کو کفر اور شرک قرار دیتے ہیں۔ اور اس بات کے ہرگز منتظر نہیں ہیں کہ کسی وقت خدا انسانی جسم میں جنم لے گا۔ یا یہ کہ عقیدہ تثلیث برحق ہے۔

بلکہ وہ صاف کہتے ہیں کہ ایسے عقائد رکھنے والا کافر ہے۔ اور ہرگز نجات نہیں پائے گا۔ حالانکہ یہود وہ لوگ ہیں جن کے درمیان برابر نبی آتے رہے یہ بالکل قرین قیاس نہیں کہ یہود باوجود مسلسل تعلیم انبیاء کے سرے سے ایسے خدا سے منکر ہو جاتے جس کے پیدا ہونے کی کسی پیشگوئی میں ان کو اُمید دی جاتی ہاں ممکن تھا کہ اُس جسمانی خدا کا مصداق حضرت مسیح کو نہ ٹھہراتے مگر یہ تو کہتے کہ وہ جسمانی خدا کوئی اور ہے جو بعد میں آئے گا۔“[۱]

۳۔ اقنوم ثانی کا مجسّم ہونا

عیسائی یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ:۔

”توحید نجات کے لئے کافی نہیں تھی جب تک اقنوم ثانی مجسم ہو کر تولد کی معمولی راہ سے پیدا نہ ہوتا اور اقنوم ثانی کا مجسم ہونا کافی نہیں تھا جب تک اس پر موت نہ آتی اور موت کافی نہیں تھی جب تک اس مجسم اقنوم ثانی پر جو یسوع کہلاتا تھا تمام دنیا کی لعنت نہ ڈالی جاتی۔“[۲]

بلا استثنا سب انبیاء نے یہ تعلیم دی اور خصوصاً اسلام نے بڑی وضاحت سے یہ بتایا کہ اللہ تعالےٰ اپنی ذات اور صفات میں غیر محدود ہے غیر محدود کو محدود تصور کر لینا ایک تضاد ہے۔ ایک ایسا تضاد جو بالائے عقل نہیں بلکہ خلافِ عقل ہے۔ بالائے عقل وہ باتیں ہیں جنہیں انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ مثلاً انسانی عقل یہ بات نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کیسے ہو گیا کہ خدا کے مقربین نے اپنے

---

[۱] تریاق القلوب ـــ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۱۶۱

[۲] کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۶۸

رب کریم سے علم پاکر آئندہ کی خبریں دیں۔ مثلاً ۱۹۰۵ء میں بانیٔ سلسلۂ عالیہ احمدیہ مسیح موعود اور مہدی معہود کا خدا تعالیٰ سے اطلاع پاکر یہ خبر دینا کہ زارِ روس کی عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے کردی جائے گی اور رشیا کی سیاسی زندگی میں انقلابِ عظیم برپا ہوگا۔ اور خبر بھی اس وقت دینا کہ ابھی لینن نے اپنے ساتھیوں سے سر جوڑ کر رشیا میں انقلاب کا منصوبہ بھی نہیں بنایا تھا۔ تاریخ انسانی میں ایسی ایک یا دو مثالیں نہیں بلکہ لاکھوں مقربین الٰہی نے وقت سے پہلے بظاہر اَن ہونی باتوں کی اطلاع دی۔ خصوصاً حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اپنی وسعتِ زمانی ومکانی اور اپنی عظمت کے لحاظ سے اس قدر تعداد میں ہیں کہ ان کی مثال سلسلہ انبیاء کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ ایسی باتیں ہیں جنھیں ایک عقلمند کی عقل بالائے عقل سمجھتی ہے۔ اور کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو خلاف عقل ہیں بالائے عقل نہیں۔ مثلاً ایک نابینا اور صاحبِ بصارت کو ایک جیسا سمجھنا خلاف عقل ہے۔ نُور اور ظُلمت کو ایک جاننا خلاف عقل ہے۔ زندگی اور موت میں تمیز نہ کرنا۔ اپنی ذات اور صفات میں غیر محدود خدا کو مجسم شکل دے دینا خلاف عقل ہے۔ بالائے عقل نہیں۔ جسم اور شکل مخلوق سے تعلق رکھتی ہے۔ شکل نام ہے مخصوص اور معیّن space میں out line کو قید کر دینے کا اور جسم نام ہے مادہ اور حجم کو محدود کر کے ایک خاص شکل دے دینے کا۔ اگر خالقِ کائنات، یہ کائنات پیدا نہ کرتا تو وہ بے شمار اجسام اور شکلیں ہمارے مشاہدہ میں نہ آتیں جو آرہی ہیں شکل اور جسم اپنی حقیقت میں مخلوق ہے اور خالق اور مخلوق کو ایک سمجھ لینا خلاف عقل اور انتہائی جہالت ہے پس اقنوم ثانی کا مجسم ہوجانا ایک ایسا عقیدہ ہے کہ ہر عقل مند کی عقل اسے ردّ کرتی ہے اس لئے ہمیں وضاحت کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ اللہ واحد و یگانہ ہے۔ لیس کمثلہ شیئٌ ۔ کائنات کی کوئی شئے اس کی مثل و مانند نہیں ہوسکتی۔

شکل اور جسم رکھنے والی ہر شئے اس لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ کائنات کی ہر شئے قید و بند میں مقیّد ہے اور اللہ تعالےٰ کی ذات ہر حد و بست سے بالا ہے۔ ہر مجسم اپنی ذات میں اور اپنی صفات میں محدود اور مقیّد اور پابند ہے لیکن خدا تعالےٰ کی ذات اور صفات ہر قسم کے قید و بند اور حد و بست سے آزاد اور ازلی ابدی ہے اور وہ ازل سے کمالِ تام رکھتا ہے۔ اور کائنات کی مجسم اشیاء کی مانند تغیّر پذیر نہیں بلکہ ازلی ابدی کمالِ تام کی وجہ سے غیر متغیّر ہے۔

اگر اُس کے لئے وقتی اور عارضی طور پر تجسم جائز سمجھ لیا جائے، تو اس بات کا بھی عقلاً امکان پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے مجسم بن جائے۔ اور اگر عارضی اور وقتی طور پر محدود گردانا جائے تو اس بات کا بھی امکان ماننا پڑے گا کہ وہ ہمیشہ ہی حد و بست کے بندھنوں میں بندھا رہے۔ پس جو ہستی اپنی ذات و صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے وہ نہ مجسم ہو سکتی ہے اور نہ کوئی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ یہ ہر دو باتیں محدود ہونے کی علامتیں ہیں اور اس کو محدود اور مجسم اور تغیّر پذیر ماننا خدا کی خدائی سے انکار کرنا ہے۔ جس خدا کو ہم نے مانا اور جس کی صفات کے بدیہہ جلوے ہم نے اپنی زندگیوں میں دیکھے، وہ ہمیشہ زندہ ہے اور اپنی ذات میں الحیّ ہے۔ ایسی کامل زندگی کہ جس میں عارضی غفلت بھی اس پر طاری نہیں ہو سکتی اور نہ نیند کی اسے احتیاج ہے اور اونگھ جانے سے بھی وہ پاک ہے۔ اس عظیم کائنات کے ہر چھوٹے اور بڑے جزو کے ساتھ ایک متصرف بالارادہ ہستی کی حیثیت میں اس کا تعلق ہے۔ وہ کامل قدرتوں والا کامل طاقتوں والا ہے۔ وہ تھکتا نہیں ایک ثانیہ کے لئے بھی کائنات کی کوئی شے اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتی۔ آسمانوں اور

زمین کا وہی نور ہے۔ وہ اپنی ذات میں زندہ ہے۔ ہر دوسری چیز اس سے زندہ ہے۔ اور وہ اپنی ذات میں قائم ہے۔ اُسی کے سہارے ہر شئی قائم ہے۔ ایک لحظہ کے لئے بھی اس کا سہارا نہ رہے تو کائنات تہہ و بالا ہو جائے۔ یہ عظیم ہستی جو تمام صفات حسنہ سے متصف اور ہر عیب اور کمزوری اور نقص سے منزّہ ہے نہ مر سکتی ہے نہ ماری جا سکتی ہے اور نہ صلیب پر جان دے سکتی ہے۔ مگر صلیب پر جان دینے سے متعلق ہم آگے بیان کریں گے۔

۴۔ کیا اللہ پر موت وارد ہو سکتی ہے؟

جیسا کہ ابھی ہم نے بتایا۔ اللہ اپنی ذات میں ازلی ابدی طور پر زندہ ہے اور ہر دوسری شئے اپنی زندگی کے لئے اس کی محتاج ہے۔ اور اسی کے سہارے سے قائم ہے۔ حزقیل نبی نے سچ کہا:۔

"لہٰذا تُو اپنے قتل کرنے والے کے ہاتھ میں الٰہ نہیں بلکہ انسان ٹھہرا"[۱]۔

اور مسیح کے متعلق اعمال میں یہ لکھا جانا:۔

"جسے تم نے صلیب پر لٹکا کر مار ڈالا"[۲]

یہ ثابت کرتا ہے کہ صلیب پر لٹکا کر مارنے والوں کے نزدیک مسیح خدا نہیں ٹھہر سکتے انسان ہی ٹھہر سکتے ہیں اور اگر مسیح انسان کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا گیا تو تورات کی تعلیم کی رُو سے مسیح لعنتی ہوا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیح ابنِ مریم اس لعنت کے نتیجہ میں سب انسانوں کو لعنت سے بچانے والے بن گئے۔ اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ مسیح ملعون ہوئے اور ایک لعنتی موت مرے اور وہ خدا تعالےٰ

---

[۱] حزقیل باب ۲۸ آیت ۹ [۲] اعمال باب ۵ آیت ۲۳

کے ایک نبی اور مقربین الٰہی میں سے نہیں تھے۔ جیسا کہ یہود سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے:۔

"یقیناً سمجھو کہ سچا خُدا وہی خُدا ہے۔ جس کی طرف قرآن شریف بُلاتا ہے۔ اس کے سوا سب انسان پرستیاں یا سنگ پرستیاں ہیں۔ بے شک حضرت مسیح ابن مریم نے بھی اس چشمہ سے پانی پیا ہے۔ جس سے ہم پیتے ہیں۔ اور بلاشبہ اس نے بھی اس پھل میں سے کھایا ہے۔ جس سے ہم کھاتے ہیں۔ لیکن ان باتوں کو خدائی سے کیا تعلق اور ابنیّت سے کیا علاقہ ہے۔ عیسائیوں نے مسیح کو ایک مقید خدا بنانے کا ذریعہ بھی خوب نکالا یعنی لعنت۔ اگر لعنت نہ ہو تو خدائی بیکار اور ابنیّت لغو۔ لیکن باتفاق تمام اہل لعنت ملعون ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا سے دل برگشتہ ہو جائے۔ بے ایمان ہو جائے، مرتد ہو جائے، خدا کا دشمن ہو جائے۔ سیاہ دِل ہو جائے۔ کتّوں اور سوروں اور بندروں سے بھی بدتر ہو جائے۔ جیسا کہ تورات بھی گواہی دے رہی ہے۔ پس کیا یہ مفہوم بھی ایک سیکنڈ کے لئے مسیح کے حق میں تجویز کر سکتے ہیں؟ کیا اس پر ایسا زمانہ آیا تھا۔ کہ وہ خدا کا پیارا نہیں رہا تھا کیا اس پر وہ وقت آیا تھا کہ اس کا دل خدا سے برگشتہ ہو گیا تھا۔ کیا کبھی اس نے بے ایمانی کا ارادہ کیا تھا۔ کیا کبھی ایسا ہوا کہ وہ خدا کا دشمن اور خدا اس کا دشمن تھا۔ پس اگر ایسا نہیں ہوا تو اس نے اس لعنت میں سے کیا حصہ لیا جس پر نجات کا تمام مدار ٹھہرایا گیا ہے؟ کیا تورات گواہی نہیں دیتی کہ مصلوب لعنتی ہے۔ پس اگر مصلوب لعنتی ہوتا ہے۔ تو بے شک وہ لعنت جو عام طور پر مصلوب ہونے کا نتیجہ ہے مسیح پر پڑی ہو گی۔ لیکن لعنت کا مفہوم دنیا کے اتفاق کی رو سے خدا تعالےٰ سے دور ہونا اور خدا سے برگشتہ ہونا ہے۔ فقط کسی پر مصیبت پڑنا یہ لعنت نہیں ہے۔ بلکہ لعنت خدا سے دوری اور خدا سے نفرت اور خدا سے دشمنی

ہے۔ اور لعین لغت کی رو سے شیطان کا نام ہے۔ اب خدا کے لئے سوچو کہ کیا روا ہے کہ ایک راستباز کو خدا کا دشمن اور خدا سے برگشتہ بلکہ شیطان نام رکھا جائے اور خدا کو اس کا دشمن ٹھہرایا جائے۔ بہتر ہوتا کہ عیسائی اپنے لئے دوزخ قبول کر لیتے مگر اس برگزیدہ انسان کو ملعون اور شیطان نہ ٹھہراتے۔ ایسی نجات پر لعنت ہے جو بغیر اس کے جو راستبازوں کو بے ایمان اور شیطان قرار دیا جائے مل نہیں سکتی۔ قرآن شریف نے یہ خوب سچائی ظاہر کی کہ مسیح کو صلیبی موت سے بچا کر لعنت کی پلیدی سے بری رکھا اور انجیل بھی یہی گواہی دیتی ہے۔ کیونکہ مسیح نے یونس کے ساتھ اپنی تشبیہہ پیش کی ہے۔ اور کوئی عیسائی اس سے بے خبر نہیں کہ یونس مچھلی کے پیٹ میں مرا نہیں تھا —— پھر اگر یسوع قبر میں مردہ پڑا رہا تو مردہ کو زندہ سے کیا مناسبت۔ اور زندہ کو مردہ سے کونسی مشابہت۔ پھر یہ بھی معلوم ہے کہ یسوع نے صلیب سے نجات پا کر شاگردوں کو اپنے زخم دکھائے۔ پس اگر اس کو دوبارہ زندگی جلالی طور پر حاصل ہوئی تھی۔ تو اس پہلی زندگی کے زخم کیوں باقی رہ گئے؟ کیا جلال میں کچھ کسر باقی رہ گئی تھی اور اگر کسر رہ گئی تھی تو کیونکر امید رکھیں کہ وہ زخم کبھی قیامت تک مل سکیں گے؟ یہ بیہودہ قصّے ہیں جن پر خدائی کا شہتیر رکھا گیا ہے۔ مگر وقت آتا ہے بلکہ آگیا ہے کہ جس طرح روئی کو دھنکا جاتا ہے اسی طرح خدا تعالےٰ ان تمام قصّوں کو ذرّہ ذرّہ کر کے اڑا دیگا۔ افسوس کہ یہ لوگ نہیں سوچتے کہ یہ کیسا خدا تھا جس کے زخموں کے لئے مرہم بنانے کی حاجت پڑی۔ تم سن چکے ہو کہ عیسائی اور رومی اور یہودی اور مجوسی دفتروں کی قدیم طبّی کتابیں جو اب تک موجود ہیں۔ گواہی دے رہی ہیں۔ کہ یسوع کی چوٹوں کے لئے ایک مرہم تیار کیا گیا تھا۔ جس کا نام مرہم عیسیٰ ہے جو اب تک قرابادینوں میں موجود ہے۔ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مرہم نبوت کے زمانہ سے پہلے بنایا ہوگا کیونکہ یہ

مرہم حواریوں نے تیار کیا تھا اور نبوت سے پہلے حواری کہاں تھے یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ ان زخموں کا کوئی اور باعث ہوگا نہ صلیب، کیونکہ نبوت کے تین برس کے عرصہ میں کوئی اور ایسا واقع بجز صلیب ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایسا دعوے ہو تو بار ثبوت بذمہ مدعی ہے۔ جائے شرم ہے کہ یہ خدا اور یہ زخم اور یہ مرہم — واقعی صحیح اور سچی حقیقتوں پر کہاں کوئی پردہ ڈال سکتا ہے۔ اور کون خدا کے ساتھ جنگ کر سکتا ہے۔ ہمیشہ کے لئے حیّ و قیوّم صرف وہ اکیلا خدا ہے۔ جو تجسّم اور تحیّز سے پاک اور ازلی ابدی ہے۔ اور جھوٹے خدا کے لئے اتنا ہی غنیمت ہے کہ اس نے ایک ہزار نو سو برس تک اپنی خدائی کا سکّہ چلا لیا۔ آگے یاد رکھو یہ جھوٹی خدائی بہت جلد ختم ہونے والی ہے۔ وہ دن آتے ہیں کہ عیسائیوں کے سعادت مند لڑکے سچے خدا کو پہچان لیں گے۔ اور پرانے بچھڑے ہوئے وحدہ لاشریک کو روتے ہوئے آملیں گے۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ وہ روح کہتی ہے جو میرے اندر ہے۔ جس قدر کوئی سچائی سے لڑ سکتا ہے لڑے۔ جس قدر کوئی مکر کر سکتا ہے۔ بے شک کرے۔ لیکن آخر ایسا ہی ہوگا یہ سہل بات ہے۔ کہ زمین و آسمان مبدّل ہو جائیں۔ یہ آسان ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں لیکن یہ وعدے مبدّل نہیں ہوں گے۔"[1]

۵۔ اس جگہ یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ کہ لعنت کا مفہوم جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ ملعون اور خدا میں باہم بغض اور نفرت اور کراہت اور عداوت پیدا ہو جائے۔ خدا اس کا دشمن اور وہ خدا کا دشمن ہو جائے۔ عیسائی عقیدہ کے مطابق ایک ایسا وقت بھی آیا کہ خدا باپ اور خدا بیٹے۔ اقنوم اوّل اور اقنوم ثانی میں انتہائی دشمنی پیدا ہو گئی۔ اور یہ باہمی عداوت انتہا کو پہنچ گئی۔ اب ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ

---

[1] سراج منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۶۴ تا ۶۶

خدا خدا کی اس لڑائی میں انسان بیچارے پر مصائب کا پہاڑ تو ٹوٹ سکتا ہے لیکن گناہ سے نجات کی کوئی راہ نہیں کھل سکتی۔

۶۔ خیر و شر پر صاحبِ اختیار انسان کی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں دو بنیادی حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس کرۂ ارض پر صرف ایک آدم ہی کا ظہور نہیں ہوا۔ بلکہ ہمارے آدم سے پہلے نامعلوم تعداد میں آدم پیدا ہوتے رہے جن کی تعداد ممکن ہے سینکڑوں تک ہو۔

دوسرے یہ کہ اس کرۂ ارض کے علاوہ بھی دوسرے کرہ ہائے ارض پر انسانی آبادیاں موجود ہیں جن پر شاید ابھی کوئی سائنس کی تحقیق تو شاہد نہیں، مگر خدائے علام الغیوب کی وحی کی شہادت ثبت ہے۔

تیسرے یہ کہ لکھا ہے کہ ہمارے آدم کی نسل میں جو عمر کے لحاظ سے اب ساتویں ہزار میں داخل ہو چکی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے قریباً ایک لاکھ بیس ہزار پیغمبر آئے۔ اور متعدد شریعتیں مختلف علاقوں اور آبادیوں کی ہدایت اور گناہوں سے نجات اور خدا تعالےٰ کی رضا کے حصول کے لئے نازل ہوتی رہیں اور کروڑوں انسان ایسے پیدا ہوئے۔ جنہوں نے اپنے وقتوں میں اپنی شریعتوں پر پورے اخلاص سے عمل کر کے گناہ سے نجات پائی۔ اور خدا کا پیار حاصل کیا۔

تعجب ہے کہ ان ایک لاکھ بیس ہزار رسل وانبیاء کی بعثت کے بعد اور کروڑوں انسانوں کی کامیاب روحانی زندگی کے بعد اور کروڑوں انسانوں کی حقیقی نجات کے بعد آخری شریعت کامل شریعت ایک عالمگیر شریعت روحانی رفعتوں میں سب سے بلند لے جانے والی شریعت۔ وہ شریعت جس نے روح القدس اور آگ سے جیسا کہ لکھا گیا تھا۔ بپتسمہ دیا اور کروڑوں انسانوں کے دل میں خدا کی محبت اس رنگ میں پیدا کی کہ انہیں خدا کا محبوب بنا دیا۔ اور روح القدس کو ہمیشہ کے لئے

نعم القرین بنایا۔ اور محبت الٰہی کی گرمی اس قدر تیز دی کہ اس نے ہوائے نفس کو جلا کر خاک کر دیا۔ اور خاکی انسان کو خدا میں فناہ کر کے ایک نئی روحانی زندگی عطا کی۔ اس آخری اور کامل شریعت سے مقابل امّتِ موسویہ کے آخری نبی کی بعثت کے موقع پر یہ کیا ہو گیا کہ یکدم یہ اعلان کیا گیا کہ نجات کی وہ ساری راہیں جو پہلوں پر کھولی گئی تھیں آج نجات کی وہ راہیں انسان پر بند کر دی گئی ہیں اور آج کے بعد امت موسویہ کا کوئی فرد نہیں، نہیں نوع انسانی میں سے کوئی فرد شریعت موسویہ یا اپنے اپنے علاقہ اور زمانہ کی سابق شرائع پر دیانت داری اور اخلاص اور محبّت اور پیار اور ایثار اور قربانی سے عمل کرنے کے باوصف نجات حاصل نہیں کر سکے گا۔ اب گناہ سے بچاؤ اور نجات کا دروازہ صرف اس پر کھولا جائے گا جو ایک نرالی غیر فطری اور خلاف عقل تعلیم پر ایمان لائے گا کہ خدا مجسّم ہوا۔ لکڑی پر لٹکایا گیا۔ صلیب پر جان دی۔ اور قیامت تک کی نسلوں کے گناہوں کی لعنت کا طوق اپنی گردن میں ڈال کر تین دن تک موت کی آغوش میں رہنے کے بعد اور اس لعنتی موت کو بطور کفّارہ پیش کر دینے کے بعد ایک جلالی جسم کے ساتھ جو مادی زخموں کے نشان بھی ساتھ لئے پھرتا تھا آسمانوں کی طرف پرواز کر گیا۔

اس ضمن میں دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ اگر ہمارے آدم کی نسل کو اپنی زندگی کے دَور میں ایک خاص نقطہ پر خدا کے مجسّم ہونے اور اس لعنتی موت کی بطور کفارہ ضرورت تھی تو ان سینکڑوں آدم کی نسلوں کی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ نے کیا منصوبہ بنایا۔ کیا ان کی نجات کے لئے بھی ان کے ادوار میں چار پانچ ہزار سال گذر جانے کے بعد خدا بیٹے نے تجسّم اختیار کیا اور صلیب پر لعنتی موت مرا یا ہمارے آدم سے پہلے جو آدم تھے جن کی تعداد سینکڑوں ہزاروں بھی ہو سکتی ہے۔ ان کی نسلوں کو خدا بیٹے کے تجسّم اور لعنتی موت کی اپنی نجات کے لئے ضرورت نہ تھی۔ پھر ہماری نسل کو ایسی کیا

ضرورت پیش آئی کہ خدا کے بیٹے کو مجسّم ہو کر دکھ اٹھانے پڑے اور آخر میں صلیب پر لعنتی موت مرنا پڑا تا بعد میں آنے والوں کے گناہوں کا کفّارہ بن جائے اور اس طرح ان کے لئے نجات کا سامان پیدا کیا جائے۔

تیسری بات جو ہماری توجہ کی مستحق ہے۔ وہ یہ ہے کہ کرۂ ارض کے علاوہ جن کرّوں پر صاحب اختیار آبادیاں ہیں اور جن آبادیوں میں سے ہر ایک میں سیکڑوں ہزاروں آدم پیدا ہوئے کیا ہر آدم کی نسل میں گناہوں سے انہیں بچانے کے لئے خدا کو اپنے بیٹے کی لعنتی قربانی دینی پڑی تا عدل کا وہ تقاضا پورا ہو جو جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں، عدل کا صحیح مفہوم روا ہی نہیں رکھتا۔ اور اس طرح پر ہر آدم کی نسل کی زندگی کے ایک خاص وقت پر خدا تعالےٰ اپنے رحم کے جلووں کو بھول گیا۔

۷۔ یہ بات توبیّن شواہد سے ثابت ہے کہ یسوع "خدا یا خدا کے بیٹے" نہیں تھے۔ اور خدائی کی کوئی عظمت اُن میں پائی نہیں جاتی تھی بلکہ اللہ کے مقرّب بندوں کی مانند عاجزی اور مسکینی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے اور اللہ کے ایک رسول تھے۔ ایک مقرّب اور مقدّس انسان تھے۔

ایسے برگزیدہ کے لئے ایک دَم کے لئے بھی یہ تجویز کرنا کہ وہ کاٹھ پر لٹکایا گیا اور لعنتی ہوا سخت ظلم اور ناانصافی ہے۔ خدا تعالےٰ کے مقرّب بندے اور پیارے رسول جو خدا تعالےٰ کی محبّت میں فنا ہو کر اور اس کے عشق اور محبّت میں فانی زندگی کو تیاگ کر خدا سے ایک نئی اور پاکیزہ زندگی پاتے ہیں۔ اور انہیں یہ برکت دی جاتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی لعنت کی پلیدگی سے پاک کریں۔ خود کیسے ملعون ہو سکتے ہیں ـــ صلیب پر انہیں لٹکایا تو جا سکتا ہے۔ لیکن اگر صلیبی موت واقعہ میں لعنت کی موت اور ملعون بنا دینے والی موت ہے تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ خدا کے ایسے مقرب بندے صلیب کی موت سے نجات پائیں اور لعنت کے داغ سے پاک

ٹھہریں جب کہ باالتفاق تمام اہلِ زبان لعنت کا مفہوم دل سے تعلق رکھتا ہے اور اس حالت میں کسی کو ملعون کہا جائے گا جب کہ حقیقت میں اس کا دل خدا سے برگشتہ ہو کر سیاہ ہو جائے اور خُدا کی رحمت سے بے نصیب اور خدا کی محبت سے بے بہرہ اور خُدا کی معرفت سے بکلی تہی دست اور خالی اور شیطان کی طرح اندھا اور بے بہرہ ہو کر گمراہی کے زہر سے بھرا ہوا ہو اور خدا کی محبت اور معرفت کا نُور ایک ذرّہ اس میں باقی نہ رہے۔ اور تمام تعلق مہر و وفا کا ٹوٹ جائے۔ اور اُس میں اور خدا میں باہم بُغض اور نفرت اور کراہت اور عداوت پیدا ہو جائے۔ یہاں تک کہ خدا اس کا دشمن اور وہ خدا کا دشمن ہو جائے۔ اور خدا اُس سے بے زار اور وہ خدا سے بیزار ہو جائے...... اب ظاہر ہے کہ ملعون کا مفہوم ایسا پلید اور ناپاک ہے کہ کسی طرح کسی راستباز پر جو کہ اپنے دل میں خدا کی محبت رکھتا ہے صادق نہیں آسکتا۔ افسوس کہ عیسائیوں نے اس اعتقاد کے ایجاد کرنے کے وقت لعنت کے مفہوم پر غور نہیں کی۔ ورنہ ممکن نہ تھا کہ وہ لوگ ایسا خراب لفظ مسیح جیسے راستباز کی نسبت استعمال کر سکتے کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح پر کبھی ایسا زمانہ آیا تھا۔ کہ اُس کا دل درحقیقت خدا سے برگشتہ اور خدا کا منکر اور خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن ہو گیا تھا؟ کیا ہم گمان کر سکتے ہیں کہ مسیح کے دل نے کبھی یہ محسوس کیا تھا کہ وہ اب خدا سے برگشتہ اور خدا کا دشمن اور کفر اور انکار کی تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے...... یہ بھی یاد رہے کہ ایسا خیال صرف حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ نبوّت اور مرتبہ رسالت کے ہی مخالف نہیں بلکہ انکے اس دعویٰ کمال اور پاکیزگی اور محبت اور معرفت کے بھی مخالف ہے جو انہوں نے جا بجا انجیل میں ظاہر کیا ہے۔ انجیل کو پڑھ کر دیکھو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صاف دعوے کرتے ہیں کہ میں جہاں کا نُور ہوں۔ میں ہادی ہوں اور میں خدا سے اعلیٰ درجہ کی محبت کا تعلق رکھتا ہوں اور میں نے اس سے پاک پیدائش پائی ہے اور میں خدا کا پیارا بیٹا ہوں۔ پھر باوجود ان غیر منفک اور پاک

تعلقات کے لعنت کا ناپاک مفہوم کیونکر مسیح کے دل پر صادق آسکتا ہے ہرگز نہیں۔ پس بلا شبہ یہ بات ثابت ہے کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا یعنی صلیب پر نہیں مرا کیونکہ اسکی ذات صلیب کے نتیجہ سے پاک ہے اور جب کہ مصلوب نہیں ہوا تو لعنت کی ناپاک کیفیت سے بے شک اس کے دل کو بچایا گیا اور بلا شبہ اِس سے یہ نتیجہ بھی نکلا کہ وہ آسمان پر ہرگز نہیں گیا۔ کیونکہ آسمان پر جانا اس منصوبہ کی ایک جزو تھی۔ اور مصلوب ہونے کی ایک فرع تھی۔ پس جب کہ ثابت ہوا کہ وہ نہ لعنتی ہوا اور نہ تین دن کے لئے دوزخ میں گیا۔ اور نہ مرا تو پھر یہ دوسری جزو آسمان پر جانے کی بھی باطل ثابت ہوئی۔"[ف]

۸۔ اس حقیقت پر کہ یسوع آسمان پر نہیں گئے اور بھی دلائل ہیں جو انجیل سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اُن تفاصیل میں جانے کی ضرورت نہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پیلاطوس مسیح کو معصوم سمجھتا تھا۔ اس کی بیوی کو خواب میں تنبیہ کی گئی۔ مسیح کو دکھ نہ دینا تکلیف اٹھاؤ گے۔ پیلاطوس کا ایسا انتظام کرنا کہ جمعہ کے روز سے پہلے مسیح کو صلیب پر نہ لٹکایا جائے اور جمعہ کے روز بھی غروب آفتاب سے چند گھنٹے پہلے صلیب پر لٹکایا جانا۔ آندھی اور طوفان کا آنا جس سے اندھیرا چھا گیا۔ اور یہود کے عقیدہ کے مطابق غروب آفتاب سے قبل صلیب سے اُتارا جانا ضروری تھا۔ اس لئے آندھی اور طوفان کے اندھیرے نے غروب آفتاب سے بھی قبل مسیح کے صلیب سے اتارے جانے کے سامان پیدا کئے۔ مسیح کی ہڈیاں نہ توڑی گیئں۔ ۳۳ سال کا ایک مضبوط جسم جسے بداخلاقی کی کوئی عادت نہیں تھی۔ صلیب پر مر نہیں سکتا تھا۔ غشی کی حالت میں اُن کو اتارا گیا اور مرہم عیسیٰ نام مرہم جسے حواریوں نے خدائی پیشگوئیوں کے مطابق اسی غرض سے تیار کر رکھا تھا اُسے لگائی گئی۔ اور قریباً ۱۴ فٹ ۳ انچ لمبی اور ۳ فٹ ۷ انچ چوڑی پٹی میں (shrouds) اسے لٹایا گیا۔ جس کا فوری اثر یہ ہوا

ف مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن جلد ۵ اصد ۱۷ تا ۲۰

کہ انتہائی تکلیف اٹھانے کے باوجود اور زخموں کے ابھی پوری طرح مندمل نہ ہونے کے باوجود یسوع چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ (مرہم عیسیٰ کے متعلق اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ وہ ہزاروں کتب جو طب پر لکھی گئیں۔ اُن میں واقعہ صلیب سے قبل مرہم عیسیٰ کا کہیں ذکر نہیں۔ لیکن واقعہ صلیب کے بعد ایک ہزار سے زائد مستند طبی کتب میں اس مرہم کا ذکر ہے۔ کہ یہ یسوع۔ مسیح کے لئے تیار کی گئی تھی۔ ان کتب کے لکھنے والے ہر مذہب سے تعلّق رکھتے ہیں۔ جن میں عیسائی بھی ہیں۔ یہودی بھی ہیں۔ مجوسی بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ کتب طب میں مرہم عیسیٰ کا ذکر ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان کتب کے پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچتی ہے اور دنیائے عیسائیت سینکڑوں سال اس نسخہ کا علم رکھتی رہی ہے۔ اور اس سے استفادہ اٹھاتی رہی ہے۔ اور خاموش گواہ ہے۔ اس بات پر کہ واقع میں یہ مرہم، مرہم عیسیٰ ہے۔)

اب ہم ایسی گواہی پیش کرتے ہیں۔ جس سے زیادہ قابل اعتبار گواہی دنیائے عیسائیت میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی اور وہ گواہی ہے حضرت مسیح کے حواریوں کی۔

I یسوع کے حواری یہ گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے واقعہ صلیب کے چند دن بعد خود اپنی آنکھوں سے مسیح کے مادّی جسم پر اُن زخموں کے نشان دیکھے جو واقعہ صلیب کے وقت اُن کے جسم پر لگائے گئے تھے۔ (کانٹوں کے چبھنے سے۔ ظالموں کے کوڑوں سے۔ لکڑی پر لٹکانے کے لئے میخیں گاڑنے سے) اور جس وقت انہوں نے ان زخموں کے نشان دیکھے انہوں نے صرف مادّی جسم کا مشاہدہ کیا۔ کوئی جلالی جسم ان کے مشاہدہ میں نہیں آیا۔

II یسوع مسیح کے مقدس حواریوں کی یہ گواہی ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد یسوع گلیل کی طرف جاتے ہوئے چند میل اُن کے ہم سفر رہے اور حواریوں کی درخواست پر وہ رات یسوع نے اُن کے ساتھ Emmaus نامی ایک گاؤں میں گذاری۔ ظاہر ہے کہ چند میل چلنے کے نتیجہ میں کوفت اور تھکن کے آثار ان کے چہرہ پر نمودار ہوئے ہونگے

اس لئے حواریوں کو یہ کہنا پڑا کہ آپ آگے نہ جائیں۔ ہمارے ساتھ ایک رات ٹھہر کر آرام کرلیں اور تازہ دم ہوجائیں۔

III یہ نتیجہ اس بات سے بھی نکلتا ہے کہ یسوع کے مقدس حواریوں کی یہ گواہی ہے کہ یسوع مسیح بھوک سے اس قدر نڈھال تھے کہ انھوں نے خود اپنے منہہ سے کھانے کو کچھ مانگا اور انہیں (Broilid Fish) مچھلی اور شہد کا چھتہ کھانے کو دیا گیا۔ جس کھانے کی کسی جلالی جسم کو ضرورت نہیں۔

"اب ظاہر ہے کہ ایک جلالی جسم کے ساتھ جو موت کے بعد خیال کیا گیا ہے مسیح سے فانی جسم کے عادات صادر ہونا اور کھانا اور پینا اور سونا اور گلیل کی طرف ایک لمبا سفر کرنا جو یروشلم سے قریباً ستر کوس کے فاصلہ پر تھا بالکل غیر ممکن اور نامعقول بات ہے ..... یہ مقام ایک سوچنے کا مقام ہے کہ کیا ایک جلالی اور ابدی جسم پانے کے بعد یعنی اس غیر فانی جسم کے بعد جو اس لائق تھا کہ کھانے پینے سے پاک ہو کر ہمیشہ خدا تعالیٰ کے دائیں ہاتھ بیٹھے اور ہر ایک داغ اور درد اور نقصان سے منزّہ ہو اور ازلی ابدی خدا کے جلال کا اپنے اندر رنگ رکھتا ہو ابھی اس میں یہ نقص باقی رہ گیا کہ اس پر صلیب اور کیلوں کے تازہ زخم موجود تھے جن سے خون بہتا تھا اور درد اور تکلیف اُن کے ساتھ تھی جن کے واسطے ایک مرہم بھی تیار کی گئی تھی۔ اور جلالی اور غیر فانی جسم کے بعد بھی جو اَبد تک سلامت اور بے عیب اور کامل اور غیر متغیر چاہیئے تھا کئی قسم کے نقصانوں سے بھرا رہا اور خود مسیح نے حواریوں کو اپنا گوشت اور ہڈیاں دکھلائیں اور پھر اسی پر کفایت نہیں بلکہ اس فانی جسم کے لوازم میں سے بھوک اور پیاس کی درد بھی موجود تھی ..... پس بلا شبہ یہ بات سچ ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ اور نہ کوئی نیا جلالی جسم پایا۔ بلکہ ایک غشی کی حالت ہوگئی تھی۔ جو مرنے سے مشابہ تھی"[1]

---

[1] مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۵-۲۶

یسوع مسیح کا یہ قول کہ :۔

"لیکن میں اپنے جی اٹھنے کے بعد تم سے آگے گلیل کو جاؤں گا"[۱] کسی قسم کا کوئی اشتباہ پیدا نہیں کرتا۔ کیونکہ " اپنے جی اٹھنے کے بعد" سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ حقیقی موت سے جی اٹھے کیونکہ جو شخص صلیب پر کھینچا گیا اور اس کے ہاتھوں اور پیروں میں کیل ٹھونکے گئے اور غشی اس پر طاری ہو کر مردہ کی سی حالت میں ہو گیا" اگر وہ ایسے صدمہ سے نجات پا کر پھر ہوش کی حالت میں آجائے تو اس کا یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ میں پھر زندہ ہو گیا اور بلاشبہ اس صدمۂ عظیمہ کے بعد مسیح کا بچ جانا ایک معجزہ تھا۔ معمولی بات نہیں تھی۔[۲]

یہ بھی یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کے پیاروں اور اس کے مقربین کو ایسے حالات میں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔ اور جب تک موت کے مشابہ حالات میں سے وہ نہ گذریں خدا تعالیٰ کے محبوب نہیں ٹھہر سکتے۔ قدیم سے یہی خدا تعالیٰ کی سنّت ہے کہ وہ اپنے پیاروں کو ایک جلا دینے والی آگ میں دھکیلتا ہے۔ مگر اس لئے نہیں کہ وہ خاک ہو جائیں بلکہ اس لئے کہ وہ اس آگ سے معجزانہ رنگ میں بچائے جائیں اور دیکھنے والی آنکھ اس میں ان کی صداقت کا ثبوت پائے۔

" جب ابراہیم آگ میں ڈالا گیا تو کیا یہ نظارہ صلیب کے واقعہ سے کچھ کم تھا۔ اور جب اس کو حکم ہوا کہ تو اپنے پیارے فرزند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر تو کیا یہ واقع ابراہیم کے لئے اور اس کے اس فرزند کے لئے جس پر چھری چلائی گئی سُولی کی دہشت سے کچھ کم درجہ پر تھا ؟ اور یعقوب کے خوف کا وہ نظارہ جب کہ اس کو سُنایا گیا کہ تیرا پیارا فرزند یوسف بھیڑئیے کا لقمہ ہو گیا اور اس کے آگے یوسف کا مصنوعی طور

---

[۱] متی باب ۲۶ آیت ۳۲ [۲] مسیح ہندوستان میں۔ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۲۰

خون آلود کرتہ ڈال دیا گیا۔ اور پھر مدت دراز تک یعقوب کو ایک مسلسل غم میں ڈالا گیا کیا یہ نظارہ بھی کچھ کم تھا اور جب یوسف کو مشکیں باندھ کر کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ تو کیا یہ دردناک نظارہ اس نظارہ سے کچھ کم تھا۔ جب مسیح کو صلیب پر چڑھایا گیا؟ اور پھر کیا نبی آخر الزمان صلعم کی مصیبت کا وہ نظّارہ کہ جب غارِ ثور کا ننگی تلواروں کے ساتھ محاصرہ کیا گیا۔ کہ اِسی غار میں وہ شخص ہے جو نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اس کو پکڑو اور قتل کرو۔ تو کیا یہ نظّارہ اپنی رُعب ناک کیفیت میں صلیبی نظارہ سے کچھ کم تھا؟ ......

پس سچ بات یہ ہے کہ ہر ایک جو خدا کے پیار کا دعوےٰ کرتا ہے ایک وقت میں ایک حالت موت کے مشابہ ضرور اس پر آجاتی ہے۔ سو اسی سنت اللہ کے موافق مسیح پر بھی وہ حالت آگئی۔ مگر جتنی نظیریں ہم نے پیش کی ہیں وہ گواہی دے رہی ہیں کہ ان تمام نبیوں میں سے ایسے امتحان کے وقت کوئی نبی بھی ہلاک نہیں ہوا۔ آخر قریب موت پہنچ کر جب کہ ان کے روحوں سے ایلی ایلی لما سبقتنی کا نعرہ نکلا۔ تب یک مرتبہ خدا کے فضل نے اُن کو بچا لیا۔ پس جس طرح ابراہیمؑ آگ سے اور یوسفؑ کنوئیں سے اور ابراہیمؑ کا ایک پیارا بیٹا ذبح سے اور اسماعیلؑ پیاس کی موت سے (اور یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے ناقل) بچ گیا۔ اسی طرح مسیح بھی صلیب سے بچ گیا۔ وہ موت کا حملہ ہلاک کرنے کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ ایک نشان دکھلانے کے لئے تھا۔“[1]

۹۔ قرآن کریم نے یہ اعلان کیا تھا کہ نہ یہود اور نہ نصاریٰ کو اس بات پر یقین ہے کہ مسیح علیہ السلام واقعی صلیب پر مار دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے واقعہ صلیب کے وقت (جس کی تفصیل میں جانے کی چنداں ضرورت نہیں) ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے۔ کہ یہود و نصاریٰ کو یہ شبہ ہو گیا تھا کہ گویا وہ صلیب پر مر گئے ہیں

---

[1] تریاق القلوب روحانی خزائن جلد ۱۵ صا ۵۲۱ تا ص ۵۲۳ حاشیہ

لیکن اُن کے پاس اس بات پر ایسے پختہ دلائل نہیں تھے جن کی وجہ سے اُن کے دل اس بات پر مطمئن ہو سکتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی جان یقیناً صلیب پر نکل گئی تھی پختہ دلائل اور شواہد جو تحقیق حاضرہ سے کثرت کے ساتھ ہمارے سامنے آ رہے ہیں ان سے یہی بات سچ ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح کو صلیبی موت سے بچا لیا تھا

ہمارے زمانہ میں مبعوث ہونے والے مسیح محمدی نے اس بارہ میں سورۃ النساء کی آیات ۱۵۷ تا ۱۵۹ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

"اور یہودی جو خدا تعالیٰ کی رحمت اور ایمان سے بے نصیب ہو گئے۔ اس کا سبب ان کے وہ بُرے کام ہیں جو انہوں نے کئے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ لو ہم نے اُس مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا جو رسول اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا (یہودیوں کا یہ کہنا کہ ہم نے عیسیٰ رسول اللہ کو قتل کر دیا۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ حضرت مسیح کو رسول جانتے تھے کیونکہ اگر وہ اس کو سچا رسول جانتے تو سولی دینے کے لئے کیوں آمادہ ہوتے بلکہ یہ قول اُن کا کہ لو ہم نے اس رسول کو پھانسی دے دیا بطور استہزاء کے تھا۔ اور اس ہنسی ٹھٹھا کی بناء توراۃ کے اس قول پر تھی جو لکھا ہے کہ جو پھانسی دیا جائے وہ ملعون ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کی رحمت اور قرب الٰہی سے دور و مہجور رہے۔ اور یہودیوں کے اس قول سے مدعا یہ تھا کہ اگر عیسیٰ بن مریم سچا رسول ہوتا تو ہم اس کو پھانسی دینے پر ہرگز قادر نہ ہو سکتے کیونکہ توریت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ مصلوب لعنتی ہوتا ہے) اب قرآن شریف اس آیت کے بعد فرماتا ہے کہ درحقیقت یہودیوں نے مسیح ابن مریم کو قتل نہیں کیا اور نہ پھانسی دیا بلکہ یہ خیال انکے دلوں میں شبہ کے طور پر ہے یقینی نہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے ان کو آپ ہی شبہ میں ڈال دیا ہے تا ان کی بیوقوفی ان پر اور نیز اپنی قادریت ان پر ظاہر کرے۔ اور پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو اس شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ شاید مسیح پھانسی ہی مل گیا ہو ان کے پاس کوئی قطعی اور یقینی دلیل اس بات پر نہیں۔

صرف ایک ظن کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور وہ خوب جانتے ہیں کہ انہیں یقینی طور پر اس بات کا علم نہیں کہ مسیح پھانسی دیا گیا۔ بلکہ یقینی امر یہ ہے کہ وہ فوت ہوگیا اور اپنی طبعی موت سے مرا۔ اور خدا تعالےٰ نے اسکو راستباز بندوں کی طرح اپنی طرف اٹھا لیا۔ اور خدا عزیز ہے اُن کو عزّت دیتا ہے جو اس کے ہو رہتے ہیں اور حکیم ہے۔ اپنی حکمتوں سے ان لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو اس پر توکل کرتے ہیں۔ اور پھر فرمایا: کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں جو ہمارے اس بیان مذکورہ بالا پر جو ہم نے اہلِ کتاب کے خیالات کی نسبت ظاہر کیا ہے ایمان نہ رکھتا ہو قبل اس کے جو وہ اس حقیقت پر ایمان لاوے جو مسیح اپنی طبعی موت سے مر گیا۔ یعنی ہم جو پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کوئی اہل کتاب اس بات پر دلی یقین نہیں رکھتا کہ در حقیقت مسیح مصلوب ہوگیا ہے۔ کیا عیسائی اور کیا یہودی صرف ظن اور شبہ کے طور پر اُن کے مصلوب ہونے کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ ہمارا بیان صحیح ہے۔ کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا ہاں اس کی موت کے بارہ میں انہیں خبر نہیں کہ وہ کب مرا۔ سو اس کی خبر ہم دیتے ہیں کہ وہ مر گیا اور اس کی رُوح عزّت کے ساتھ ہماری طرف اٹھائی گئی۔ اس جگہ یاد رہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ کہنا کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ ہمارے اس بیان پر جو ان کے خیالات کے بارے میں ہم نے ظاہر کیا۔ ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ ایک اعجازی بیان ہے اور یہ اس آیت کے موافق ہے۔ جیسا کہ یہودیوں کو فرمایا تھا۔ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ سو اس فرمانے سے مدعا یہ تھا کہ در حقیقت یہودیوں کا یہ بیان کہ ہم نے در حقیقت مسیح کو پھانسی دے دیا۔ جس سے یہ نتیجہ نکالنا منظور تھا کہ نعوذ باللہ مسیح ملعون ہے اور نبی صادق نہیں۔ اور ایسا ہی عیسائیوں کا یہ بیان کہ در حقیقت مسیح پھانسی کی موت سے مر گیا۔ جس سے یہ نتیجہ نکالنا منظور تھا کہ مسیح عیسائیوں کے گناہ کیلئے کفّارہ ہوا۔ یہ دونوں خیال عیسائیوں اور یہودیوں کے غلط ہیں اور کسی کو ان دونوں گروہ میں سے ان خیالات پر دلی یقین نہیں۔ بلکہ دلی ایمان ان کا صرف اس پر ہے کہ مسیح یقینی طور پر مصلوب نہیں ہوا۔ اس تقریر سے خدا تعالیٰ کا یہ مطلب تھا کہ تا

یہودیوں اور عیسائیوں کی خاموشی سے منصفین قطعی طور پر سمجھ لیویں کہ اس بارہ میں بجز شک کے ان کے پاس کچھ نہیں۔ اور یہودی اور عیسائی جو اس آیت کو سن کر چپ رہے اور انکار کے لئے میدان میں نہ آئے۔ تو اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر ہم مقابل پر آئے اور وہ دعویٰ کیا جو ہمارے دل میں نہیں۔ تو ہم سخت رسوا کئے جائیں گے اور کوئی ایسا نشان خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہو جائے گا۔ جس سے ہمارا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائیگا اس لئے انہوں نے دم نہ مارا اور چپ رہے اور اگرچہ وہ خوب جانتے تھے کہ ہماری اس خاموشی سے ہمارا مان لینا ثابت ہو جائیگا۔ جس سے ایک طرف تو ان کفّار کے اس عقیدہ کی بیخ کنی ہوگی اور ایک طرف یہ یہودی عقیدہ باطل ثابت ہو جائیگا کہ مسیح خدا تعالیٰ کا سچّا رسول اور راستباز نہیں۔ اور ان میں سے نہیں جن کا خدا تعالیٰ کی طرف عزت کے ساتھ رفع ہوتا ہے۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی چمکتی ہوئی تلوار ان کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ پس جیسا کہ قرآن شریف میں ان کو کہا گیا ہے کہ اگر تم سچّے ہو تو موت کی تمنّا کرو۔ لیکن مارے خوف کے کسی نے یہ تمنّا نہ کی اسی طرح اس جگہ بھی مارے خوف کے انکار نہ کر سکے۔ یعنی یہ دعویٰ نہ کر سکے کہ ہم تو مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ہمیں کیوں بے یقینوں میں داخل کیا جاتا ہے۔ سو ان کا نبی کے زمانہ میں خاموشی اختیار کرنا ہمیشہ کے لئے حجّت ہو گئی اور ان کے ساختہ پرداختہ کا اثر اُن کی آنے والی ذریّتوں پر بھی پڑا کیونکہ سلف خلف کے لئے بطور وکیل کے ہوتے ہیں۔ اور ان کی شہادتیں آنے والی ذرّیت کو ماننی پڑتی ہیں۔

اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے جو اس بحث کو چھیڑا کہ مسیح مصلوب نہیں ہوا۔ بلکہ اپنی موت سے فوت ہوا۔ اس تمام بحث سے یہی غرض تھی کہ مسیح کے مصلوب ہونے سے دو مختلف فرقے یعنی یہود اور عیسائی دو مختلف نتیجے اپنی اپنی اغراض کی تائید میں نکالتے تھے۔ یہودی کہتے تھے کہ مسیح مصلوب ہو گیا اور تورات کی رو

سے مصلوب لعنتی ہوتا ہے۔ یعنی قربِ الٰہی سے مہجور اور رفع کی عزت سے بے نصیب رہتا ہے۔ اور شانِ نبوّت اس حالتِ ذلّت سے برتر و اعلیٰ ہے۔ اور عیسائیوں نے نے یہودیوں کی لعن وطعن سے گھبرا کر یہ جواب بنا لیا تھا کہ مسیح کا مصلوب ہونا اس کے لئے مضر نہیں بلکہ یہ لعنت اس نے اس لئے اپنے ذمہ لے لی کہ تا گناہگاروں کو لعنت سے چھڑا دے۔ سو خدا تعالےٰ نے ایسا فیصلہ کیا۔ کہ ان دونوں فریق کے بیانات مذکورہ بالا کو کالعدم کر دیا اور ظاہر فرما دیا کہ کسی کو ان دونوں گروہوں میں سے مسیح کے مصلوب ہونے پر یقین نہیں۔ اور اگر ہے تو وہ سامنے آوے۔ سو وہ بھاگ گئے اور کسی نے دم بھی نہ مارا اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کا ایک معجزہ ہے۔" [1]

اور خدا کی بات ہی سچ نکلی اور خدا تعالیٰ نے اپنے اس اعلان کی صداقت میں مسیح محمدی کے زمانہ میں ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ وہ دلائل اور شواہد بھی جو چھپے ہوئے تھے یا نظر سے اوجھل تھے سامنے آ گئے۔ اور روزِ روشن کی طرح یہ بات ثابت ہو گئی کہ مسیح نے صلیب پر جان نہیں دی۔ اور خدا تعالےٰ کے اس پیارے کا رفع روحانی ہوا۔ اس سلسلے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ اعلان بہت اہمیت کا حامل ہے۔

"یہ خدا کا ارادہ تھا کہ وہ چمکتا ہوا حربہ اور وہ حقیقت نما برہان کہ جو صلیبی اعتقاد کا خاتمہ کرے۔ اس کی نسبت ابتداء سے یہی مقدر تھا کہ مسیح موعود کے ذریعہ سے دنیا میں ظاہر ہو۔ کیونکہ خدا کے پاک نبی نے یہ پیشگوئی کی تھی کہ صلیبی مذہب نہ گھٹے گا اور نہ اس کی ترقی میں فتور آئے گا۔ جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں ظاہر نہ ہو۔ اور وہی ہے جو کسرِ صلیب اس کے ہاتھ پر ہو گی۔ اس پیشگوئی میں یہی اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے وقت میں خدا کے ارادہ سے ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے جن کے ذریعہ سے صلیبی

---

[1] ازالہ اوہام حصہ اوّل صہ ۳۷

واقعہ کی اصل حقیقت کھل جائے گی۔ تب انجام ہوگا اور اس عقیدہ کی عمر پوری ہو جائیگی۔ لیکن نہ کسی جنگ اور لڑائی سے بلکہ محض آسمانی اسباب سے جو علمی اور استدلالی رنگ میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔ یہی مفہوم اس حدیث کا ہے جو صحیح بخاری اور دوسری کتابوں میں درج ہے۔ پس ضرور تھا کہ آسمان ان امور اور ان شہادتوں اور اِن قطعی اور یقینی ثبوتوں کو ظاہر نہ کرتا جب تک کہ مسیح موعود دنیا میں نہ آتا۔ اور ایسا ہی ہؤا اور اب سے جو وہ موعود ظاہر ہؤا۔ ہر ایک کی آنکھ کھُلے گی اور غور کرنے والے غور کریں گے کیونکہ خدا کا مسیح آگیا۔ اب ضرور ہے کہ دماغوں میں روشنی اور دلوں میں توجہ اور قلموں میں زور اور کمروں میں ہمّت پیدا ہو۔ اور اب ہر ایک سعید کو فہم عطا کیا جائے گا۔ اور ہر ایک رشید کو عقل دی جائے گی کیونکہ جو چیز آسمان میں چمکتی ہے۔ وہ ضرور زمین کو بھی منوّر کرتی ہے۔ مبارک وہ جو اس روشنی سے حصّہ لے اور کیا ہی سعادت مند وہ شخص ہے جو اس نُور میں سے کچھ پا دے۔[1]

سنہ ۱۹۶۰ء اور سنہ ۱۹۶۱ء کے پوپ کے اعلان

کہ حضرت مسیح کا صلیب پر مرنا یا صلیب سے زندہ اُتر آنا عیسائی عقائد پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ کفّارہ اور تثلیث کے لئے خونِ مسیح کی قربانی کافی ہے۔ یہ اعلان حقیقتاً اس بات کا اعلان ہے کہ واقعہ صلیب سے اس وقت تک مسیحی قرآن کریم کے بیان کے مطابق شُبہ میں رہے ہیں اور ان کے پاس صلیب پر مرنے کے پختہ اور قائل کر دینے والے دلائل نہیں تھے۔ نیز اس اصلیت کا اظہار ہے کہ نئی تحقیق سے صلیب سے زندہ اُترنے کی تصدیق ہوتی ہے۔ جہاں تک خون کی قربانی کا تعلّق ہے۔ انسانی

---

[1] (مسیح ہندوستان میں صفحہ ۶۵-۶۴) روحانی خزائن

عقل اسے تسلیم نہیں کرسکتی کہ (۱) خُدا باپ نے خُدا بیٹے کو انسانی خون دیا۔ جس خون کی خدا بیٹے کو اپنی الوہیّت کے لئے ذرّہ بھر بھی ضرورت نہیں تھی۔ اور (۲) خدا بیٹے نے اس خون کی جس کی اُسے اپنی الوہیت کے لئے ذرہ بھر بھی ضرورت نہیں تھی۔ اور جس کی اس کے لئے ایک دھیلہ قیمت نہیں تھی۔ قربانی دی۔ کیا قربانی اسی کا نام ہے؟۔ اور (۳) جن انسانوں کی خاطر اس بے قیمت خون کی قربانی دی گئی انہیں اس خون کی اپنی نجات کے لئے قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ ہر نفس اپنی نجات کے لئے اپنی قربانی دیتا ہے۔ اور اسے اپنی صلیب خود اٹھانی پڑتی ہے اور تاریخ عیسائیت اس بات پر گواہ ہے کہ خون کی اس بے فائدہ قربانی سے کسی ایک عیسائی نے بھی نجات حاصل نہیں کی۔

یہاں یہ بات بھی ضمناً بتا دینے کے لائق ہے۔ کہ "The shroud" جماعت احمدیہ کے نزدیک خاص اہمیت کی حامل نہیں۔ اس کپڑے کو دنیائے عیسائیت نے صدیوں سے ہزار تقدس کے ساتھ سنبھال کے رکھا ہوا ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں۔ یا یہ The shroud جعلی ہے۔ یا وہ واقعہ میں وہی کپڑا ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کو مرہم لگا کر استعمال کیا گیا تھا۔ یہ عیسائیوں کا کام ہے کہ وہ خود سوچیں کہ اگر یہ جعلی تھا تو اسے اتنی اہمیت کیوں دی گئی۔ اور اس قدر بزرگی اسے کیوں عطا کی گئی اور اگر یہ جعلی نہیں تو اس سے جو بعض باتیں مسیح کے صلیب سے زندہ اترنے سے متعلق ثابت ہوتی ہیں۔ وہ بنیادی اہمیت کی نہیں ہیں۔ اگر یہ اصلی کپڑا ضائع بھی ہو جاتا تب بھی ان دلائل پر کچھ اثر نہ پڑتا جو کثرت کے ساتھ ہیں اور بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور جن کی اس شہادت کے بعد کہ مسیح علیہ السلام صلیب سے زندہ اترنے اور صحت مند ہونے کے بعد لمبا عرصہ یہودیوں کے کھوئے ہوئے قبائل میں کام کرتے رہے ہیں اور یہ کھوئے ہوئے قبائل آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور حضرت مسیح ہی کی یہ تربیت تھی کہ جب بعثت نبویؐ کا انہیں علم ہوا تو اسلام میں داخل ہونے کی انہوں نے توفیق پائی۔

پس اس لمبے سلسلہ دلائل میں "The shroud Missing link" کی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر جعلی ہے تو مسیحیت اس کو ناجائز تقدس دینے کی ذمہ دار ہے۔ ہمیں اس سے کیا؟ اگر اصلی ہے تو ایک ذیلی دلیل ہے اگر سچی ہو تو کچھ زائد علم ہمیں حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر سچی نہ ہو تو جو علم ہمیں حاصل ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

(۱۰) مسیحت کے عقائد میں ایک کمزوری یہ نظر آتی ہے کہ پولوس نے گلیتوں میں تو یہ کہا۔

It is written accursed is every one that hangth on a tree

لیکن It is written میں عہدنامہ قدیم کی جس عبارت کی طرف اشارہ ہے اس میں اس کی بجائے یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا جرم یا گناہ کرے جو worthy of death ہو اور اسے ایسے جرم کی سزا میں صلیب پر لٹکا کر مارا جائے تو ایسا گنہگار is a accursed of God ہے یعنی یہ نہیں لکھا گیا کہ جو صلیب پر لٹکا یا جائے وہ ملعون ہے بلکہ یہ لکھا گیا ہے جو ملعون ہو اور ایسے گناہ کا مرتکب ہو جن کی سزا موت ہے تو اس جرم اور لعنت کی وجہ سے اسے صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اب واضح ہے کہ یہ تو درست نہیں کہ ہر معصوم جسے حکومتِ وقت غلط شہادتوں کے نتیجہ میں یا بدنیتی کی وجہ سے یا جسے بدمعاش غنڈے زبردستی پکڑ کر کسی جنگل میں لے جا کر درخت پر لٹکا کر مار دیں وہ ملعون ہو جائے گا۔ دوسرے عہدنامہ قدیم سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صلیبی موت صرف اس گناہ کا کفّارہ ہے۔ جس کی سزا موت ہو۔ اور اگر مسیح حقیقتہً گناہگاروں کے گناہوں کا کفّارہ بن سکتے تو بائیبل کے اس حکم کے مطابق صرف قاتلوں وغیرہ کے گناہوں کا کفّارہ بن سکتے۔ ان ہزاروں قسم کے گناہوں کا کفارہ نہیں بن سکتے جن کی سزا نہ نئے نہ پرانے عہدنامہ میں موت تجویز کی گئی ہے۔ مسیح کی صلیبی موت ایسے گناہوں کا کفارہ کیسے بن گئی۔

پس جس جہت اور جس زاویہ سے بھی ہم اس عقیدہ پر نظر ڈالتے ہیں۔

ہمیں اس میں خامی اور کمزوری نظر آتی ہے۔

(۱۱) بعثت انبیاء اس لئے ہوتی ہے کہ جن کی طرف نبی مبعوث کیا جائے وہ اپنی گندی زیست سے نجات پائیں اور خُدائے واحد و یگانہ کی اس شریعت پر عمل پیرا ہو کر جوان کے لئے آئی ہے۔ خدا تعالےٰ کے پیار کو حاصل کریں۔ مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ خصوصاً بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی طرف اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل بارہ قبائل میں بٹے ہوئے تھے ان میں سے صرف دو قبیلے اور وہ بھی پورے نہیں یروشلم اور شام کے علاقہ میں بستے تھے اور ان بارہ قبائل میں سے دس قبائل اِلّاماشاءاللہ ظالم بادشاہوں کے ظلم سے مجبور ہو کر اس علاقہ سے باہر جا چکے تھے۔ اور ایران۔ افغانستان۔ ہندوستان اور کشمیر کے علاقے میں پھیلے ہوئے تھے۔ خصوصاً کشمیر میں بنی اسرائیل کی بھاری اکثریت کی Jewish settlements پائی جاتی تھیں۔ اور ان میں سے بہت سے صرف اس معنی میں کھوئے ہوئے نہیں تھے کہ وہ اپنے مرکز سے کٹ چکے تھے بلکہ اس معنی میں بھی وہ Lost tribes تھے کہ شریعت موسویہ سے وہ کٹ چکے تھے۔ اور ان میں سے بہتوں نے بدھ مذہب کو اختیار کر لیا تھا۔ اور بہت سے ایسے بھی تھے جو شریعت موسوی چھوڑ کر اور توحید باری سے قطع تعلق کر کے ہندو بُت پرست بن چکے تھے۔

مسیح کی بعثت کا ایک مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی رسالت کی تبلیغ کر کے بنی اسرائیل کی ان بکھری ہوئی اور گم شدہ بھیڑوں کو شریعت موسویہ کی صحیح تعلیم پر قائم کریں اور جنہوں نے بدھ مذہب اختیار کیا ہے انہیں موسیٰ کی شریعت کی طرف واپس لائیں اور جو توحید سے باغی ہو کر ہندو بن چکے ہیں۔ شرک کی اس لعنت سے چھڑوا کر پھر توحید خالص پر ان کو قائم کریں اپنے اس مقصد میں حضرت مسیحؑ کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور یہ سارے کے سارے دس قبائل سوائے ڈیڑھ سے اڑھائی فیصد اسرائیلیوں کے باقی سب نے

یسح کی رسالت پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی اور توحید خالص پر وہ قائم ہوئے۔

مسیح کی بعثت کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ چونکہ وہ شریعت موسویہ کے آخری خلیفہ اور نبی تھے اور ان کے بعد اسرائیل میں کوئی نبی نہیں آنا تھا۔ اور جس قوم کو ایک ایک وقت میں بیسیوں نبیوں کی ضرورت رہی اس قوم کا رشتہ رسالت سے ٹوٹ جانا تھا اور نبوّت اور رسالت اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسماعیل میں چلی جانی تھی۔ اس لئے خطرہ تھا کہ کہیں اپنی بدبختی سے یہ لوگ اس نبی کے ماننے سے انکار نہ کردیں جسے تورات نے "وہ نبی" "That Prophet" کہہ کر پکارا ہے۔ "وہ نبی" جو آخری شریعت "وہ نبی" جو ایک کامل شریعت۔ "وہ نبی" جو ایک اکمل شریعت "وہ نبی" جو قیامت تک قائم رہنے والی شریعت۔ "وہ نبی" جس کی شریعت زمان و مکان کو پھلانگ کر ہر قوم ہر خطہ ارض اور ہر زمانہ کی ہدایت کے لئے ایک مکمل شریعت ہے۔ وہ نبی جس کا ظہور خدا کا ظہور اور جس کا آنا خدا کا آنا قرار دیا گیا تھا۔ اس نبی پر ایمان لانے کے لئے جب بھی وہ مبعوث ہو۔ بنی اسرائیل کے ذہنوں کو تیار کرنا تھا۔

چنانچہ جس طرح بنی اسرائیل کے مذکورہ Lost tribes حضرت مسیح پر ایمان لائے اسی طرح قریباً سارے کے سارے ان علاقوں میں بسنے والے اسرائیلی مسیحی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور توراۃ کی اصطلاح میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر روح القدس اور آگ سے بپتسمہ لیا۔ پس اپنی بعثت کے اس مقصد میں بھی حضرت مسیحؑ کامیاب ہوئے۔

جن انبیاء کے سپرد جو مخصوص کام کئے جاتے ہیں جب تک وہ انہیں پورا نہ کرلیں یا اپنی کامیابی کے لئے سامان پیدا نہ کرلیں اس وقت تک وہ وفات نہیں پاتے۔ مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت مسیح علیہ السلام کے لئے بطور ارہاص کے تھے جب مسیح نے یحییٰ کے ہاتھ پر پانی سے بپتسمہ لے لیا تو حضرت یحییٰ کی بعثت کا مقصد پورا ہوگیا

اور اس کے بعد وہ لمبا عرصہ زندہ نہیں رہے لیکن واقعہ صلیب تک یسوع کے ہاتھ پر کوئی اہم واقعہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جن گم شدہ بھیڑوں کی طرف وہ آئے تھے ابھی ان سے ملاپ بھی نہیں ہوا تھا۔ اور "وہ نبی" جس کی بشارت بائیبل نے دی تھی جس کے مقام کی اہمیت مسیح نے اسرائیل کے ذہنوں میں گاڑنی تھی۔ اس کام کی بھی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ رسالت کے تیسرے سال صلیب کا واقعہ ہو گیا۔ اور یہ تین سال بھی گمنامی میں اور خاموش تبلیغ میں ان کے گذرے۔ جن دو قبائل میں وہ رہے انہوں نے ناپاک اور ملعون ہونے کے طعنے تو دیئے مگر ان کی کسی بات کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھا ان حالات میں اگر وہ واقع میں خدا کے سچے رسول تھے صلیب پر وہ جان نہیں دے سکتے تھے۔ ابھی تو انہوں نے اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی نجات کا بھی کوئی سامان نہیں کیا تھا۔ ابھی تو انہوں نے بنی اسرائیل کے ان Lost tribes کی آنے والی نسلوں کو محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کی لعنت سے محفوظ کر لینے کا بھی کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔ ابھی انہوں نے بنی اسرائیل کے دماغ میں یہ بات گاڑی نہیں تھی کہ آنے والا "وہ نبی" "That Prophet" اللہ کی نگاہ میں عظمت کا وہ مقام رکھتا ہے۔ جو حضرت موسیٰؑ اور بعض دوسرے انبیاءؑ نے اللہ تعالےٰ سے اطلاع پا کر ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

سو دیکھو اپنے نام میں خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکر شامل کر لیا۔ اور آنحضرت کا ظہور فرمانا خدا تعالےٰ کا ظہور فرمانا ہؤا ایسا جلالی ظہور جس سے شیطان مع اپنے تمام لشکروں کے بھاگ گیا اور اس کی تعلیمیں ذلیل اور حقیر ہو گئیں۔ اور اس کے گروہ کو بڑی بھاری شکست آئی۔ اسی جامعیت کی وجہ سے سورہ آلِ عمران جزو تیسری میں مفصّل یہ بیان ہے کہ تمام نبیوں سے عہد و اقرار لیا گیا کہ تم پر واجب و لازم ہے کہ عظمت و جلالتِ شانِ ختم الرسل پر جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایمان لاؤ۔

اور اُن کی اس عظمت اور جلالیت کی اشاعت کرنے میں بدل وجان مدد کرو۔ اسی وجہ سے حضرت آدم صفی اللہ سے لے کرتا حضرت مسیح کلمتہ اللہ جس قدر نبی و رسول گذرے ہیں۔ وہ سب کے سب عظمت وجلالیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرتے آئے ہیں - (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں یہ بات کہہ کر کہ خدا سینا سے آیا اور شعیر سے طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ سے اُن پر چمکا صاف جتلا دیا کہ جلالیتِ الٰہی کا ظہور فاران پر آکر اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ اور آفتاب صداقت کی پوری پوری شعاعیں فاران پر ہی آکر ظہور پذیر ہوئیں۔ اور وہی توریت ہم کو یہ بتلاتی ہے کہ فاران مکہ معظّمہ کا پہاڑ ہے۔ جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام جدامجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سکونت پذیر ہوئے اور یہی بات جغرافیہ کے نقشوں سے بپایہ ثبوت پہنچتی ہے اور ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں سے بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی رسول نہیں اٹھا۔ سو دیکھو حضرت موسیٰ سے کیسی صاف صاف شہادت دی گئی ہے کہ وہ آفتاب صداقت جو فاران کے پہاڑ سے ظہور پذیر ہوگا اس کی شعائیں سب سے زیادہ تیز ہیں۔ اور سلسلہ ترقیات نُورِ صداقت اُسی کی ذات جامع بابرکات پر ختم ہے۔

اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیت وعظمت کا اقرار کر کے زبور ۴۵ میں یوں بیان کیا ہے۔

(۲) تو حُسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے۔ تیرے لبوں میں نعمت بتائی گئی ہے اسی لئے خدا نے تجھ کو ابد تک مبارک کیا۔ (۳) اے پہلوان! تو جاہ وجلال سے اپنی تلوار حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا (۴) امانت اور حلم اور عدالت پر اپنی بزرگواری اور اقبالمندی سے سوار ہو کہ تیرا داہنا ہاتھ تجھے ہیبت ناک کام دکھائے گا۔ (۵) بادشاہ کے دلوں میں تیرے تیر تیزی کرتے ہیں۔ لوگ تیرے سامنے گر جاتے ہیں (۶) اے خدا تیرا تخت ابدالآباد ہے۔ (یہ فقرہ اسی مقام جمع سے ہے جو قرآن شریف میں کئی مقام میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بولا گیا ہے۔) تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ (۷) تُو نے صدق، سے دوستی اور شر سے دشمنی کی۔ اسی لئے خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تر تجھے معطر کیا۔ بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والی عورتوں میں ہیں۔

اسی طرح حضرت یسعیاہ نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت وعظمت ومظہر تام الوہیّت ہونے کے بارے میں اپنے صحیفہ کے باب بیالیس ۴۲ میں بطور پیشگوئی وحی پا کر یوں بیان کیا ہے۔ دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالوں گا۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے۔ میں نے اپنی روح اُس پر رکھی۔ وہ قوموں پر راستی ظاہر کرے گا۔ وہ نہ گھٹے گا اور نہ تھکے گا۔ جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ بیابان اور اس کی بستیاں کیدار (یعنی عرب) کے آباد دیہات (جس سے مکہ معظمہ وغیرہ مراد ہیں) اپنی آواز بلند کریں۔ خداوند ایک بہادر کی مانند نکلے گا (خداوند سے مراد ظلّی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ وہ مظہر اتم الوہیّت اور درجہ سوئم قرب پر ہیں۔ جیسا کہ کئی دفعہ ہم بیان کر چکے ہیں) وہ اپنی تئیں اپنے دشمنوں پر قوی دکھلائے گا۔ قدیم سے میں خاموش رہا ہوں اور ستایا اور آپ کو روکے گیا۔ پر اب میں اُس عورت کی طرح جو دردِ زہ میں ہو چلّاؤنگا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو ویران کر ڈالوں گا۔ اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وے نہیں جانتے لے جاؤں گا۔

ایسا ہی یوحنّا نبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالیّت وعظمت ظاہر کرنے کے لئے بطور پیشگوئی گواہی دی۔ جو انجیل متی باب سوم میں اس طرح پر درج ہے۔

"میں تو تمہیں توبہ کے لئے پانی سے بپتسما دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے قوی تر ہے۔ کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تمہیں رُوح القدس اور آگ سے بپتسما دیگا۔ اس پیشگوئی میں محض نادانی کی راہ سے عیسائی لوگ

خصومت کرتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ہے۔ مگر یہ دعوےٰ سراسر باطل و بے بنیاد ہے۔ اوّل تو حضرت مسیح حضرت یوحنّا کے ہمعصر تھے۔ نہ کہ بعد میں آنے والے یا بعد میں ابنیّت کا لقب پانے والے۔ ماسوا اس کے ہر ایک شخص آزما سکتا ہے کہ دائمی طور پر سچّے طالبوں کو رُوح قدس اور آتش محبّت سے بپتسما دینے والا آسمان کے نیچے صرف ایک ہی ہے۔ یعنی جناب سیّدنا و مولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے جلالِ تام کا حضرت مسیح اپنی پیشگوئیوں میں آپ اقرار کرتے ہیں۔ اور اسی روح کے بپتسما کی طرف اللہ تعالےٰ نے قرآن شریف میں اشارہ بھی فرمایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وایّدھم بروحٍ مِّنْہُ [۱] یعنی خدا تعالیٰ مومنوں کو روح قدس سے تائید کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے صبغۃ اللہِ ومن احسن من اللہ صبغۃ [۲] یعنی یہ خدا کا بپتسمہ ہے اور کونسا بپتسما اس سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔" [۳]

بعثت مسیح کے وقت یہود تین انبیاء کی آمد کے منتظر تھے۔ ایلیا مسیح۔ وہ نبی۔ اور مذکورہ بالا حوالوں کا تعلق نہ ایلیاہ سے ہے نہ مسیح سے ہے بلکہ اس نبی سے ہے جسے Saint John باب ۱- آیت ۱۹، ۲۰ میں That Prophet کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ جو باتیں ان حوالوں میں مذکور ہیں۔ ایلیا سے ان کا تعلق اس لئے بھی نہیں کہ ایسا دعویٰ نہیں کیا گیا اور with no streech of imagination ان باتوں کو مسیح کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اپنی رسالت کے تین سال سوائے آخری چند ماہ کے گمنامی میں گذارنے کے بعد تیسرے سال کے آخر اور اپنی عمر کے ۳۳ ویں سال میں یروشلم میں جب آئے تو تھوڑے ہی عرصہ بعد انہیں سُولی پر لٹکا دیا گیا۔ اور عیسائیوں کے بقول مار دیا گیا۔ مگر محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان سب

---

[۱] مجادلہ ع ۳۔ [۲] بقرہ ع ۱۶/۳ [۳] سرمہ چشم آریہ صـ ۲۳۰ تا صـ ۲۳۷، حاشیہ بحوالہ روحانی خزائن۔ جلد ۲ صـ ۲۷۸ تا صـ ۲۸۵ حاشیہ۔

باتوں کی ایک زندہ و پائندہ تعبیر ہے۔

فاران کے پہاڑ سے دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آپ کا نمودار ہونا اور اللہ تعالیٰ کی جلالی تجلّی سے روسائے مکّہ کا سرنگوں ہو جانا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا لاتثریب علیکم الیوم کے حسین انتقام سے ان کے دل موہ لینا اور سارے عرب پر آپ کا رعب چھا جانا اور سارے عرب کا محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو جانا اور کسریٰ اور قیصر کے محلات میں گھبراہٹ اور بے چینی کے آثار ظاہر ہونا اور پھر اپنے وقت پر ان ۲ دو عظیم سلطنتوں کا جن کی طاقت اور شوکت اور رعب اور دبدبہ ساری دنیا پر چھایا ہوا تھا عربوں کے ہاتھوں شکست کھانا اور اسلامی تعلیم کا ان عظیم طاقتوں کے دل جیت لینا وغیرہ وغیرہ سارا ہی زمانہ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کی تورات کی ان پیشگوئیوں کی تعبیر ہے۔ جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ لکھا ہے۔

"اب آسمان کے نیچے اعلیٰ اور اکمل طور پر زندہ رسول صرف ایک ہے۔ یعنی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم[۱]"

"خدا کا وہ عبد جس نے اپنی ذات سے اپنی صفات سے اپنے افعال سے اپنے اعمال سے اور اپنے روحانی اور پاک قویٰ کے پُر زور دریا سے کمال تام کا نمونہ علماً و عملاً و صدقاً و ثباتاً دکھلایا اور انسان کامل کہلایا ...... اور کامل برکتوں کے ساتھ آیا جس سے روحانی بعث اور حشر کی وجہ سے دنیا کی پہلی قیامت ظاہر ہوئی اور ایک عالم کا عالم مرا ہوا اس کے آنے سے زندہ ہو گیا۔ وہ مبارک نبی حضرت خاتم الانبیاء امام الاصفیاء خاتم المرسلین۔ فخر النبیّن جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔"[۲]

"وہی رسول جس نے وحشیوں کو انسان بنایا اور انسان سے با اخلاق انسان

---

[۱] مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۲۶۷ [۲] آئینہ کمالات اسلام

یعنی سچے اور واقعی اخلاق کے مرکز اعتدال پر قائم کیا اور پھر با اخلاق انسان سے باخدا ہونے کے الٰہی رنگ سے رنگین کیا ...... اگر کسی نبی کی فضیلت اس کے ان کاموں سے ثابت ہو سکتی ہے۔ جن سے بنی نوع کی سچی ہمدردی سب نبیوں سے بڑھ کر ظاہر ہو تو اے سب لوگو! اٹھو اور گواہی دو کہ اس صفت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں"[1]

تمام ہدائیتوں میں سے صرف قرآنی ہدایت ہی ایسی ہے جو صحت کے کامل درجہ پر ہے۔ اس قرآنی ہدائیت کی عظمت اس سے عیاں ہے کہ اس نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی پرستش کے لئے اور اس کا عبد بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور ہمیں یہ بتایا کہ "عبد" بننے سے مراد یہ ہے کہ انسانی صفات اللہ تعالےٰ کی صفات کے رنگ میں رنگین ہوں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس غرض کے لئے خدا تعالےٰ نے انسان کو چار اقسام کی بنیادی صفات عطا کی ہیں ــــ (۱) وہ صلاحیتیں اور استعدادیں جن کا تعلّق اس کی صحیح جسمانی صحت سے ہے (۲) وہ صلاحیتیں اور طاقتیں جن کا تعلق انسانی ذہن سے ہے۔ (Mental faculties) (۳) وہ طاقتیں اور استعدادیں جن کا تعلق اخلاق سے ہے اور (۴) وہ قوتیں اور صلاحیتیں جن کا تعلق روحانیت سے ہے۔ اور اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کائنات کی ہر شئی بلا استثناء اس غرض سے پیدا کی گئی ہے کہ وہ انسان کی خدمت اس معنی میں کرے کہ جو Inherant powers انسان کو دی گئی ہیں وہ صحیح اور کامل نشوونما حاصل کر سکیں۔ کائنات کی یہ بے شمار نعمتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ انسانی طاقتوں کے دائرہ عمل میں کس قدر وسعت پائی جاتی ہے۔ اور کس طرح وہ مظہر صفات باری بنتا ہے۔ اور ان چہار قسم کی صلاحیتوں میں خدا تعالےٰ کی صفات سے متاثر ہونے کی

---

[1] تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۹

کس قدر طاقت ہے اور خدا تعالےٰ نے ہر انسان کا یہ حق واجب قائم کیا ہے کہ اُس کی صلاحیتوں اور استعدادوں کی نشوونما کے لئے کائنات کی جس شئی کی جس حد تک ضرورت ہو اُسے وہ میسّر آنی چاہیئے اور جب یہ نشوونما اپنے کمال تک پہنچ جائے تو اُسے اپنے ارفع مقام پر قائم رکھنے کے لئے جو کچھ بھی درکار ہو وہ اُسے ملنا چاہیئے اور انسانی معاشرہ کی بہبود کے لئے ہر ایک کو اس کی اہلیت کے مطابق کام کرنے کا موقعہ ملنا چاہیئے۔ تا انسانی معاشرہ بحیثیت مجموعی اپنے حُسن اور خوشحالی میں کمال تک پہنچا رہے اور اسلام ہمیں یہ بتاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں جو نواہی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ انسانی طاقتوں کی نشوونما میں روک نہ پیدا ہو اور اسلامی تعلیم میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ اس لئے ہیں کہ انسانی faculties بحیثیت مجموعی سیدھی راہ پر حرکت کرتی ہوئی خدا تعالےٰ کے پیار کے جلوے حاصل کر سکیں۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس کائنات میں توازن کا اصول جاری کیا گیا ہے۔ جسے نظر انداز کرنے کے نتیجہ میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔

اس مختصر تمہید سے یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی گناہ ہے تو اس کا مطلب اسلام میں یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو حقیقی خوشحالی کے حصول اور اپنے قرب کے جو ذرائع عطا کئے تھے ان سے فائدہ نہ اٹھانا گناہ ہے جو شخص اپنی خدا داد طاقت کو ضائع کرتا ہے وہ گناہگار ہے اور جو شخص اپنی طاقت سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور جن سیدھی راہوں پر چلنے کی اُسے قوّت دی گئی ہے۔ اس قوت سے فائدہ اٹھا کر وہ آگے نہیں بڑھتا یہ گناہ ہے اور جو شخص اپنی طاقتوں کو غلط استعمال سے محفوظ رکھتا ہے یہ نیکی ہے۔ اور جو شخص اپنی طاقتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے یہ نیکی ہے اور ان باتوں کے لئے ہی ہدایت اور احکام الٰہی کی ضرورت ہے۔ ہمارا خدا تو غنی ہے اسے ہماری احتیاج نہیں۔ ہمیں اس کی احتیاج ہے۔ ہمیں احتیاج ہے اس بات کی کہ ہماری طاقتیں ضائع نہ ہوں۔ اور نواہی کی جو پابندیاں ہمیں بیماری اور کمزوری

اور کند ذہنی اور بد اخلاقی اور روحانی پستی سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ہم انہیں نعمتِ خداوندی جانیں ناجائز قید نہ سمجھیں اور وہ احکام الٰہی جو کھانے پینے کے اصول سے تعلق رکھتے عقل وفراست سے تعلق رکھتے اخلاق میں حُسن پیدا کرنے سے تعلق رکھتے اور روحانی رفعتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم ان احکام کو اپنا ممد اور معاون سمجھیں اور ان سے بغاوت کر کے اپنے مقدّر کی رفعتوں کو اپنی ہی غفلتوں سے پستیوں میں تبدیل نہ کر دیں۔

چار قسم کی جو صلاحیتیں اور استعدادیں ہمیں دی گئی ہیں۔ ان کا گہرا باہمی تعلق ہے۔ اچھی صحت جسے ہوائے نفس نے کمزور نہ کیا ہو۔ ذہن وفراست کے لئے ضروری ہے اور صحت مند جسم اور ذہانت کی کامل نشوونما حُسنِ اخلاق کے لئے لازمی ہے۔ اور ان تینوں صلاحیتوں کا اپنی بہترین حالت میں ہونا روحانی رفعتوں کے لئے واجب ہے۔ جب تک ان سب صلاحیتوں کی متوازن نشوونما نہ ہو اس وقت تک انسان صحیح معنی میں اور حقیقی طور پر اپنے رب کی پرستش نہیں کر سکتا اور نہ اس کی صفات کا مظہر بن سکتا ہے۔ آج کی دنیا کے وہ خطّے بھی جو دورِ حاضر میں مہذّب ترین سمجھے جاتے ہیں اُن کی بھی انفرادی اور اجتماعی زندگی ایک مفلوج زندگی ہے۔ خدا داد قوتوں میں سے بعض کی طرف ایک حد تک توجہ دی گئی ہے۔ اور بعض سے غفلت برتی گئی ہے اور بعض کو کلیتہً نظر انداز کر دیا گیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ آج کا انسان اطمینانِ قلب سے محروم ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جب تک انسانی Inherant Powers اور faculties کی کامل اور متوازن نشوونما نہیں ہو گی جب تک جسمانی قویٰ کی نشوونما کے ساتھ ساتھ ذہنی قویٰ کی بھی پوری نشوونما نہیں ہو گی اور جب تک ان ہر دو کی نشوونما کے ساتھ ساتھ اخلاقی قوتوں کی سچّی نشوونما نہیں ہو گی اور جب تک ان تینوں قسم کی صلاحیتوں کی نشوونما کے ساتھ ساتھ روحانی قابلیتوں کی کامل نشوونما ہو کر بندہ کا ایک پختہ اور زندہ تعلق اپنے رب سے پیدا نہیں ہو جائے گا اور بندہ اپنے رب کی سچّی محبت کے نتیجہ میں خدا کے پیار کو حاصل نہیں کر لے گا اور اس کے

ذکر کو اپنا شعار نہیں بنائے گا اس وقت تک اُسے اطمینانِ قلب حاصل نہیں ہو سکے گا۔

سائنس کی عظیم ترقیات تسلیم۔ مگر سائینسی ایجادات کی ہلاکت آفرینیوں سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے ہی ہاتھوں کی پیدا کردہ ہلاکت سے نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ خدا کے ہاتھ میں دے دیں۔ بُت پرستی، انسان پرستی اور نفس پرستی غرضیکہ ہر قسم کے شرک کو چھوڑ کر خدائے واحد و یگانہ کی رحمت کے سایہ تلے جمع ہو جائیں۔

مذاہب تو آج بھی بہت ہیں۔ اور ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہی سچا ہے مگر سچائی کی علامتیں اور صداقت کے آثار سے اسلام کے سوا سب محروم ہیں۔

اس لئے آج میں انتہائی عاجزی اور پیار سے آپ کو ایک پیغام دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ:

وہ مسیح جس کی خبر پہلے نوشتوں میں بھی دی گئی تھی اور قرآن کریم اور محمد صلعم نے بھی جس کے آنے کی خبر دی تھی۔ محمد صلعم کا وہ روحانی فرزند وہ آخری مسیح ہزاروں سال سے جس کی آمد کی دنیا منتظر تھی جس کے زمانہ میں نیکی کی بدی کے ساتھ آخری جنگ مقدّر تھی اور جس کے ہاتھ پر شیطانی طاقتوں نے فیصلہ کن شکست کھانی تھی اور جس کے وقت میں نوعِ انسانی کے معاشرہ میں اسلامی حُسن کا نہایت ہی پیارا نور چمکنا تھا اور جس کے وقت میں تمام اقوامِ عالم نے اسلام کی عظیم قوۃ احسان اور زبردست روحانی ہتھیاروں سے گھائل ہو کر توحید کے جھنڈے تلے جمع ہو کر ایک برادری اور ایک خاندان بن جانا تھا اور ہزار سالہ خوشحال زندگی انسان کا مقدر اور نصیب بن جانا تھا ـــــ خوش ہو اور حمد کے ترانے گاؤ کہ وہ مسیح آ گیا۔ اور میں جو تم میں کھڑا بول رہا ہوں اس مسیح کا تیسرا نائب اور خلیفہ ہوں اور میرے دل میں تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی اور تمہارا پیار سمندر کی طرح موجزن ہے اور تمہارے دکھ اور پریشانی مجھے بے چین کرتے ہیں اور تمہاری محرومیوں نے مجھے غمزدہ کر رکھا ہے۔ اور تمہاری محرومی خدائے رحمٰن و رحیم کی شناخت اور معرفت سے محرومی ہے۔ میں

تمہیں اُس واحد و یگانہ کی طرف بُلاتا ہوں۔ جس نے ہماری پیدائش سے بھی قبل ہماری ضرورتوں کا خیال رکھا اور ہماری خوشحالی کے سامان پیدا کئے۔ ہماری فطرت کی ہر قوت واستعداد اور Faculty نے جو اس سے مانگا۔ وہ اس نے دیدیا۔ تا اس سے زندہ تعلق قائم کرنے میں کوئی کمزوری نہ رہ جائے۔ ہم نے ہی ناشکری سے کام لئے۔ جو چیزیں امن وسلامتی کے قیام کے لئے ہمیں دی گئی تھیں۔ فتنہ وفساد کی راہوں میں انہیں ہم نے خرچ کیا ہمارے جسموں کی صحت ہمارے ذہنوں کی پرواز۔ ہمارے اخلاق کی بلندی اور ہماری روح کی رفعتوں کے لئے جو ہمیں ملا تھا وہی ہماری غفلت اور گناہ سے ہمیں پستیوں اور خدا سے دوری کی طرف لے گیا۔ مگر اب بھی وقت ہے کہ ہم سنبھلیں اور اپنے رب کو پہچانیں اور توبہ کرتے ہوئے اس کی طرف لوٹیں وہ ہمارے سب گناہ معاف کردے گا وہ پیار سے ہمیں اٹھائے گا۔ اور اپنی رضا کی جنتوں میں ہمیں لے جائے گا۔ ہمارے اپنے آنسو، خدا سے ملنے کے لئے ہمارے اپنے سینوں میں ایک بے چین کردینے والی تڑپ ہمارا کفّارہ ہے۔ ہمیں کسی اور کے کفّارہ کی ضرورت نہیں۔ پس تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اس واحد لاشریک کی طرف واپس آؤ۔ اور اس کی اطاعت کا جوّا اپنی گردن پر رکھو کہ اس میں تمہاری اپنی ہی بھلائی ہے۔

اور میں تمہیں بلاتا ہوں محمدؐ کی اتباع کی طرف جن راہوں پر چل کر محمدؐ نے اپنے رب (اور دنیا جہان کی نعمتوں) کو پایا۔ ان راہوں پر محمدؐ کے قدموں کے نشان ہیں۔ اس نقش قدم کے پیچھے چلو۔ خدا کی قسم اگر تم ایسا کروگے تو خدا کے محبوب بن جاؤگے۔ اور اس کی پیاری آواز سنو گے۔

"جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو" اس فانی دنیا کی جھوٹی خوشیاں اور مصنوعی لذتیں تو خدا کے پیار کے آگے کوئی شئی نہیں۔ آزما کر تو دیکھو۔ جن لاکھوں کروڑوں نے یہ در کھٹکھٹایا ان کے لئے یہ کھولا گیا، تم مایوس کیوں ہوتے ہو کہ تمہارے لئے کھولا نہ جائیگا۔

سید رشید احمد

پس آؤ۔ آگے بڑھو اور مسیح محمدی کے نائب اور خلیفہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام میں داخل ہو جاؤ کہ اسی میں تمہاری اور تمہاری نسلوں کی بھلائی ہے۔

ورنہ ایک سخت تباہی اور ہلاکت تمہاری منتظر ہے جس سے میں تمہیں سنہ ۱۹۶۷ء میں بھی زیادہ تفصیل سے ڈرا چکا ہوں۔

Sayd Rashid Ahmad
Sungra

نظارت دعوة وتبلیغ سے مندرجہ ذیل لٹریچر منگوایا جا سکتا ہے

۱	قرآن مجید	بزبانِ انگریزی	۱۹	توضیح المرام	اردو
۲	تفسیر صغیر	اردو	۲۰	تحفة الندوه	"
۳	دیباچہ تفسیر القرآن	انگریزی	۲۱	کشتی نوح	"
۴	اسلامی اصول کی فلاسفی	"	۲۲	شہادة القرآن	"
۵	" "	ہندی	۲۳	انفاخ قدسیہ	"
۶	" "	گورمکھی	۲۴	آسمانی فیصلہ	"
۷	مسیح ہندوستان میں	انگریزی	۲۵	شرح القصیدہ	"
۸	" "	اردو	۲۶	شانِ قرآن	"
۹	ایک غلطی کا ازالہ	"	۲۷	شانِ رسولِ عربیؐ	"
۱۰	" "	انگریزی	۲۸	اسلام کا اقتصادی نظام	"
۱۱	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کے جواب	"	۲۹	" "	انگریزی
			۳۰	نظامِ نو	اردو
۱۲	" "	اردو	۳۱	" "	انگریزی
۱۳	انتخاب درثمین	"	۳۲	حضرت محمدؐ صاحب کے پوتر جیون	ہندی
۱۴	ریویو بر مباحثہ بٹالوی چکڑالوی	اردو	۳۳	" "	گورمکھی
۱۵	ضرورة الامام	اردو	۳۴	نبیوں کا سردار	اردو
۱۶	نشان آسمانی	"	۳۵	دی ہولی پرافٹ محمدؐ	انگریزی
۱۷	تقریریں (حضرت مسیح موعودؑ)	اردو	۳۶	اسلامی نماز	"
۱۸	فتح اسلام	اردو	۳۷	دانشورِ رسول	"

۳۸	حضرت مسیح علیہ السلام کہاں فوت ہوئے	انگریزی
۳۹	کیا یسوع مسیح نے انسان کو نجات دی –	〃
۴۰	ظہور امام مہدی علیہ السلام	اُردو
۴۱	چالیس جواہر پارے	〃
۴۲	〃 〃	انگریزی
۴۳	اسلام کی پہلی کتاب	〃
۴۴	اسلام کی دوسری کتاب	انگریزی
۴۵	〃 تیسری 〃	〃
۴۶	ریاض احادیث النبیؐ	〃
۴۷	شان خاتم النبیینؐ	اُردو
۴۸	مقام خاتم النبیینؐ	〃
۴۹	ختم نبوّت کی حقیقت	〃
۵۰	〃 〃 〃	انگریزی
۵۱	قرآن مجید کا پہلا پارہ	ہندی